© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ مباحث

"اسلامی ریاست"

اطاعت کے شرائط و حدود

(از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی)

اسلامی نظامِ اطاعت

اسلام میں جس طرح اللہ کی اطاعت کے لئے رسول کی اطاعت لازم ہے اسی طرح رسول کی اطاعت کے لئے اس کے خلفاء اور نائبوں یعنی اولوالامر کی اطاعت لازم ہے۔ اگر کوئی شخص رسول کی اطاعت کے بغیر یہ سمجھ بیٹھے کہ اس نے اللہ کی اطاعت کا حق ادا کر دیا تو وہ اسلام اور اس کے نظام سے بالکل بے بہرہ ہے۔ اللہ تعالےٰ کی مرضی اور اس کے احکام و قوانین کا علم دنیا کو اس کے رسولوں ہی کے واسطہ سے ہوتا ہے اور وہی زمین میں ان کے جاری و نافذ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اس وجہ سے اللہ کی اطاعت کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔ اس کے بغیر اللہ کی اطاعت کا سرے سے کوئی مفہوم ہی نہیں ہے۔ اسی طرح رسول کی اطاعت کے حق سے سبکدوش ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے خلفا اور نائبوں کی اطاعت کی جائے۔ کیونکہ رسول کے بعد درحقیقت وہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے اجراء و نفاذ اور شرع اسلامی کے قیام و استحکام کی ذمہ داری منتقل ہوتی ہے۔ لہٰذا رسول کی اطاعت کا حق ادا نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نائبوں یا بالفاظ دیگر امام اور اولوالامر کی اطاعت نہ کی جائے۔ اللہ، رسول اور اولوالامر کے درمیان یہ تعلق ایسا لازمی اور ضروری ہے کہ اسکو کسی حالت میں بھی توڑا نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام کی زنجیر میں یہ تینوں کڑیاں بالکل متصل اور یکے بعد دیگرے واقع ہوئی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی اگر آپ توڑ کر علیحدہ کرنا چاہیں تو بیک وقت تینوں ہی ٹوٹ جائیں گی بلکہ اسلامی نظام کی پوری زنجیر ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو کے رہ جائیگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورۂ نساء میں ان کے اسی باہمی تعلق کو واضح کرنے کے لئے ان تینوں اطاعتوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (۵۹۔ النساء)	اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو اولوالامر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

پھر اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اچھی طرح واضح فرما دیا ہے:-

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من اطاعنی فقد اطاع الله ومن اطاع الامام فقد اطاعنی۔ ومن عصانی فقد عصى الله ومن عصى الامام فقد عصانی۔ (بخاری، کتاب الاحکام)	ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے امام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امام کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

اس حدیث میں امام کے لفظ سے مراد رسول کا نائب اور اس کا خلیفہ ہے جو اپنے امراء و عمال کے ساتھ اس شرعی جماعت کی حیثیت حاصل کرتا ہے جس کو قرآن مجید نے "اولوالامر" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور جو اسلامی ریاست کے تمام مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہے خواہ اُن کا تعلق مسائل و احکام کے اجتہاد و استنباط سے ہو یا قوانین کے اجراء و نفاذ اور امن و عدل کے قیام سے۔

خلافت راشدہ اور اس کے امتیازات

رسول کے ساتھ اس گہرے اور ناقابل شکست تعلق کی وجہ سے اولوالامر کی اس جماعت کے ہاتھوں جو نظام سیاسی وجود میں آتا ہے اسکو "خلافت راشدہ" یا "خلافت علی منہاج السنۃ" کہتے ہیں اور اسکو بہت سے ایسے حقوق و امتیازات حاصل ہو جاتے ہیں جو رسول کے سوا اسلام میں کسی اور کو حاصل نہیں ہیں - ان میں سے بعض باتوں کا ہم یہاں ذکر کریں گے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ایک حقیقی اسلامی حکومت دنیوی حکومتوں کے مقابل میں کتنے اہم امتیازات کی مالک ہے اور اس کی اطاعت میں اور دوسری دنیوی حکومتوں کی اطاعت میں کتنا عظیم الشان فرق ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس جماعت کے ساتھ اطاعت ووفاداری کی وابستگی خود اسلام کے ساتھ وفاداری کے لئے شرط لازم قرار پاجاتی ہے اور اسکی موجودگی میں کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں رہ جاتا کہ وہ اس جماعت سے علیحدہ رہ کر اسلام کے ساتھ اپنی وابستگی قائم رکھ سکے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبراً فقد ربقۃ الاسلام من عنقہ۔

ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نظام جماعت سے بالشت بھر بھی ہٹا اس نے درحقیقت اپنی گردن سے اسلام کا حلقۂ اطاعت نکال پھینکا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اولوالامر کی ایسی جماعت کی اطاعت صرف حکومت کے اندر شہری اور اجتماعی حقوق حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ آخرت میں نجات حاصل کرنے کیلئے بھی ضروری ہے اگر کوئی شخص اسلامی ریاست کے صاحب امر کی اطاعت سے انحراف کرلے اور اسی حالت میں اسکی موت واقع ہوجائے تو اس کے تمام دینی اعمال اکارت جائیں گے اور اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

عن ابن عباس عن النبی قال من کرہ من امیرہ شیئاً فلیصبر، فانہ من خرج من السلطان شبراً مات میتۃ جاھلیۃ (بخاری۔ کتاب الفتن)

ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اپنے امیر کی کوئی بات ناگوار گذرے تو اسکو چاہیئے کہ صبر کرے، کیونکہ جو شخص سلطان کی اطاعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا۔ وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ الجاھلیۃ۔ (مسلم)

جو شخص اس حال میں مرا کہ اسکی گردن میں خلیفہ کی بیعت کا قلادہ نہیں ہے وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ایک اور حدیث میں جنت میں داخل ہونے کے لئے نماز، روزہ، زکوٰۃ کی طرح صاحب امر کی اطاعت کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلّوا خمسکم وصوموا شہرکم وادّوا زکوٰۃ اموالکم واطیعوا ذا امرکم تدخلوا جنّۃ ربّکم۔

پنج وقتہ نماز ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو اور اپنے صاحبِ امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنّت میں داخل ہو گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ اطاعت دنیوی حکومتوں کی طرح صرف ظاہری اطاعت کی حد تک ہی نہیں مطلوب ہوتی بلکہ اس میں دل کا اخلاص اور نیت کی پاکیزگی (یعنی سچی وفاداری) بھی مطلوب ہوتی ہے۔ چنانچہ متعدد حدیثوں میں اسلام کے ضروری اجزاء کے ضمن میں امام کی خیر خواہی کو بھی ایک ضروری شرط کی حیثیت سے گنایا گیا ہے۔ ایک حدیث میں اُن لوگوں کے ساتھ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا، اُس شخص کو بھی شریک کیا گیا ہے جو امام کے ہاتھ پر محض اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے بیعت کرتا ہے، خلوصِ نیت کے ساتھ اسکی اطاعت نہیں کرتا:۔

رجلٌ بایع اماماً لا یبایعہ الّا لدنیا فان اعطاہ منہا وفیٰ وان لم یعطہ منہا لم یف۔ (مسلم)

(اور اللہ تعالیٰ اس شخص سے بھی گفتگو نہیں کریگا) جو امیر کے ہاتھ پر محض کسی غرضِ دنیوی کے لئے بیعت کرتا ہے، چنانچہ اگر اسکی وہ غرض پوری کی جاتی ہے تو وفادار[ی] کرتا ہے اور اگر وہ غرض نہیں پوری کی جاتی تو وہ وفاداری نہیں کرتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کو ان کے فرائض کی یاددہانی کرتے ہوئے فرمایا:۔

واعینونی علیٰ نفسی بالامر بالمعروف والنّہی عن المنکر واحضاری النّصیحۃ فیما ولّانی اللہ من امرکم۔

اور میرے نفس کی کمزوریوں کے مقابل میں میری مدد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ سے اور اُس ذمہ داری کے سلسلہ میں میری خیر خواہی کر کے کرو جو خدا نے تمہارے معاملات کے انتظام کی میرے اوپر ڈالی ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ بعض اہم عبادات کی ادائیگی امام کی رہنمائی اور نگرانی پر منحصر ہے۔ جہاد اس کے حکم سے ہوگا، زکوٰۃ اس کے بیت المال کو دی جائے گی، جمعہ اور عیدین اور حج اس کے اہتمام میں قائم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں گے۔ اگر کچھ لوگ امام کے حکم کے بغیر جہاد کا اعلان کر دیں تو ہر چند ان کے اس فعل سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا ہو یا پہنچنے کی امید ہو لیکن چونکہ وہ امیر کی اجازت یا حکم کے بغیر کیا گیا ہے اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فساد فی الارض قرار پائے گا۔ ایک حدیث میں وارد ہے :۔

الغزو غزوان، فاما من ابتغی وجہ اللہ واطاع الامام وانفق الکریمۃ ویاسر الشریک واجتنب الفساد فان نومہ ونبھہ اجر کلہ واما من غزا فخرا ورياء وسمعۃ وعصی الامام وافسد فی الارض فانہ لم یرجع بالکفاف۔	جنگ کی دو قسمیں ہیں۔ جس نے اللہ کی خوشنودی پیش نظر رکھی، امام کے حکم کی پیروی کی، پاکیزہ مال خرچ کیا، ساتھی کے ساتھ اچھا معاملہ کیا، فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا اور جاگنا سب کا سب اس کے لئے اجر قرار پائیگا۔ لیکن جس نے محض فخر اور دکھاوے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے جنگ کی، امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد برپا کیا تو اس کے پلے کچھ نہیں پڑے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے :۔

الامام جُنّۃ یقاتل من ورائہ (مسلم)	امام ڈھال ہے اس کے پیچھے ہو کر جنگ کی جائے۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ جن چیزوں کے بارہ میں شریعت میں کوئی قطعی اور صریح حکم موجود نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق اجتہاد سے ہے ان میں سے کسی امر کے متعلق اگر امام کے سامنے مختلف رائیں اور مختلف مذہب رکھے جائیں اور امام شوریٰ کے بعد ان میں سے کسی ایک رائے کو منتخب کرے تو محض اسکے اس انتخاب کی وجہ سے اس رائے کی حیثیت اسلامی ریاست کے ایک قانون کی ہو جائے گی اور سب پر اسکی تعمیل واجب ہوگی اگرچہ وہ رائے پچھلے مجتہدین اور بزرگوں کے رایوں سے بالکل مختلف ہو۔ اس کے بعد ایک شخص کو یہ حق تو حاصل رہے گا کہ اگر اس کا اپنا اجتہاد امیر کے فیصلہ کے خلاف ہے تو ایک رائے کی حد تک اپنے اجتہاد پر قائم رہے لیکن یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہوگا کہ قضا اور سیاست کے دائرہ کے اندر اس قانون کی تعمیل سے اعراض کرے۔

چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ خلیفہ راشد اپنے وقت میں جن سیاسی و اجتماعی احکام پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب کے سب نظیریں بن جاتے ہیں اور جس طرح پیش آنے والے حالات و معاملات میں سنت نبوی سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح ایک خلیفہ راشد کے احکام اور فیصلے بھی پیروی کے لئے نمونہ اور مثال کا کام دیتے ہیں۔ پیغمبر کے قول و عمل کے بعد یہی چیز ہے جس کی پیروی میں خدا کی رضا اور جس سے انحراف میں خدا کا غضب ہے۔ اس حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے واضح فرمایا ہے مگر ہم بخیال اختصار صرف ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:-

انہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً، فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور۔ فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔

تم میں سے جو لوگ میرے بعد باقی رہیں گے وہ بہت سے اختلافات دیکھیں گے اُس وقت تمہارا فرض ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرو، اور ان پر مضبوطی سے جمے رہو اور ان کو دانتوں سے پکڑ لو اور خبردار، اُن باتوں کے قریب بھی نہ پھٹکنا جو میرے طریقہ اور خلفائے راشدین کے طریقہ سے ہٹ کر نئی ایجاد کرلی جائیں۔ اس طرح کی ہر نئی بات بدعت۵ ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے،

مگر یہ اطاعت غیر مشروط نہیں ہے

اسلامی حکومت کو اطاعت و وفاداری کے لحاظ سے یہ بلند درجہ جو ملا ہے وہ غیر مشروط (Un Conditional) طریقہ پر نہیں ملا ہوا ہے بلکہ اسلام نے اس کے ساتھ نہایت کڑی شرطیں لگا رکھی ہیں اور اس اطاعت و وفاداری کو ان شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ اگر حکومت یہ شرطیں پوری کرے تو اس کو حق ہے کہ وہ اس اطاعت و وفاداری کے لئے مطالبہ کرے اور اس کے تمام شہریوں کا دینی و اسلامی

۵؎ بدعت سے مراد ایسے نئے طریقے نکالنا ہے جو نظام اسلامی کے مزاج کے خلاف ہوں اور اس کی مجموعی ترکیب سے میل نہ کھاتے ہوں۔ جو چیز بدعت کو اجتہاد سے جدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مجتہد اصولی احکام اور پچھلے نظائر اور دین کے مجموعی نظام کو ملحوظ رکھ کر مسائل مسکوت عنہا کے بارے میں کوئی ایسی بات کہتا ہے جو اسلام کے نظام سے مناسبت رکھتی ہے اور اس کے اندر ٹھیک بیٹھتی ہے لیکن مبتدع ایک بالکل نرالی بات نکال بیٹھتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرض ہے کہ بغیر کسی کوتاہی کے اس کے اس مطالبہ کو پورا کریں۔ اور اگر حکومت یہ شرطیں پوری نہ کرے تو اس صورت میں حکومت کی نوعیت و حالت کے لحاظ سے اس کے حقوق اور اس کی اطاعت کی نوعیت میں بھی نہایت اہم تبدیلیاں ہو جائیں گی جن کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

اطاعت کی شرطیں یہاں ہم ایک مناسب ترتیب کے ساتھ ان حدیثوں کو پیش کرتے ہیں جن میں اطاعت کے شرائط کو بیان کیا گیا ہے[1]۔ پہلے ان حدیثوں کو لیجئے جن میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ اولو الامر کی اطاعت اُس وقت تک کی جائے گی جب تک وہ اللہ کی کتاب، نماز اور اسلام کو قائم کریں گے:-

(۱) اخرج البخاری من حدیث انس اسمعوا اطیعوا وان استعمل عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ ما اقام فیکم کتاب اللہ تعالیٰ۔ (بخاری)

بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر ایک چھوٹے سر والے حبشی غلام کو امیر مقرر کر دیا جائے جب تک وہ تمہارے اندر اللہ کی کتاب قائم کرے۔

(۲) عن ام سلمۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سیکون امراء فتعرفون تنکرون فمن کرہ بریٔ ومن انکر سلم ولکن من رضی و تابع۔ قالوا افلا نقاتلھم؟ قال لا، ما صلوا۔ (مسلم)

ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تمہارے اندر ایسے امرا ظاہر ہوں گے جنکی طرف سے تم معروف و منکر دونوں طرح کی باتیں دیکھو گے۔ سو جس نے منکر کو منکر سمجھا وہ تو بری ہوا اور جس نے اسکی مخالفت کی وہ سلامت رہا لیکن جو اس پر راضی رہا اور جس نے پیروی کی اس کی بدبختی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کیا ایسے امراء سے ہم جنگ نہ کریں؟ آپنے فرمایا نہیں، جبتک وہ نماز پڑھیں (اس وقت تک جنگ نہ کرو)

---

[1] یہاں ان احادیث کو بلا تبصرہ یکجا پیش کرنے سے مقصود مسئلہ کا ایک اجمالی تصور دینا اور ان باتوں کی فہرست نگاہوں کے سامنے رکھ دینا ہے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اطاعت کی شرائط کی حیثیت سے بیان ہوئی ہیں۔ ان پر مفصل تبصرہ آگے آئے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) عن عوف بن مالك الأشجعي قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: خيار أئمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم وتصلون عليهم ويصلون عليكم وشرار أئمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم - قال قلنا يا رسول الله، أفلا ننابذهم عند ذلك؟ قال لا ما أقاموا فيكم الصلوة - ألا من ولي عليه وال فرآه يأتي شيئاً من معصية الله فليكره ما يأتي من معصية الله ولا ينزعن يداً من طاعته

عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور جو تم سے محبت کریں، وہ تمہارے لئے دعا کریں اور تم ان کے لئے دعا کرو، اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور جو تم سے بغض رکھیں، جن پر تم لعنت بھیجو اور جو تم پر لعنت بھیجیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ جب ایسی صورت پیدا ہو جائے تو کیا اس وقت ہم ان کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا اعلان نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں جب تک وہ تمہارے اندر نماز قائم کریں (اس وقت تک جنگ نہ کرو) اگر کوئی شخص ایسے حکمران کی ماتحتی میں آ جائے جو اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ اسکی برائیوں سے نفرت کرے لیکن اسکی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔[1]

(۴) عن عبادة بن صامت قال بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا وأثرة علينا وأن لا ننازع الأمر أهله إلا برهان - (متفق علیہ)

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بات کی بیعت لی کہ ہم رنج و راحت اور تنگی و آسانی اور نا انصافی کے باوجود اپنے امرا کی بات سنیں اور مانیں اور جو صاحب امر ہو اسکی مخالفت نہ کریں الا یہ کہ اس سے کوئی

[1] اس مسئلہ پر تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے مگر یہاں بھی یہ بات اجمالاً پیش نظر رہنی چاہیئے کہ اطاعت سے دست کشی کی ممانعت اس حالت سے مشروط ہے کہ امرا لوگوں کے اندر اقامت نماز کا التزام کر رہے ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ خدا اور رسول کے احکام کی نافرمانی کے مرتکب بھی ہو جاتے ہوں۔ ایسی حالت میں ان کی اطاعت سے انحراف نہ کرتے ہوئے ان کی اصلاح کی سعی کی جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ صریح [illegible] ہو جس کے کفر ہونے پر اللہ کی طرف سے کوئی دلیل موجود ہو۔[1]

۔ بعض ایسی حدیثوں کو لیجئے جنہیں استثنا کی تصریح کی گئی ہے کہ اولو الامر کی اطاعت صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ معروف کا حکم دیں اگر وہ منکر کی اطاعت کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔[2]

(۱) اخرج الشیخان رضی اللہ عنہما من حدیث [illegible] علی المرء المسلم السمع والطاعۃ فیما احب وکرہ الا ان یؤمر بمعصیۃ فان امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ۔

بخاری و مسلم اور دیگر کتابوں میں جو روایت ہے کہ [illegible] امیر کی بات سننا و ماننا [illegible] ہر حال میں ضروری ہے الا یہ کہ اسے کسی ایسی بات کا حکم دیا جائے جس میں خدا کی نافرمانی ہو سو اگر کسی ایسی بات کا حکم دیا جائے جس میں خدا کی نافرمانی ہو تو پھر نہ سننا ہے اور نہ ماننا ہے۔

(۲) عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ ما لم یؤمر بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ۔ (بخاری کتاب الاحکام)

عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے لئے ہر حال میں امیر کی اطاعت فرض ہے جب تک کہ کسی معصیت کا حکم نہ دیا جائے تو پھر نہ سننا ہے اور نہ ماننا ہے۔

سوال یہ ہے کہ [illegible] آنحضرت [illegible] صاحب ہرگز نہیں ہے کہ [illegible] اسلام [illegible]
[illegible] لگیں کیونکہ ان کی جرأت [illegible] تو ایک مسلمان [illegible] ہو جانے کے بعد [illegible] کم ہی کرتا ہے [illegible]
وہی ہے جو پچھلی تینوں حدیثوں میں بیان ہوا ہے یعنی یہ کہ [illegible] خدا کی کتاب کو [illegible]
[illegible] یہ کہ وہ منکر و معروف سے بے نیاز ہو کر کام کرنے لگیں [illegible] قرآن میں [illegible]
[illegible] کو [illegible] کیونکہ یہی چیزیں تو ایک اسلامی حکومت کے قیام کا اصل مقصد ہیں [illegible]
فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر (۲۲ - ۴۱) [illegible]
[illegible] معروف سے مراد وہ باتیں ہیں جو شریعت میں پسندیدہ ہیں اور منکر سے مراد وہ باتیں ہیں جو شریعت میں [illegible]
[illegible] ناپسندیدہ کو جانچنے کے لئے اسلام نے کتاب و سنت کے سوا کسی اور معیار کو تسلیم نہیں کیا ہے [illegible]
[illegible] فرماتے ہیں: المراد بالمعروف ما کان من الامور المعروفۃ فی الشرع [illegible]
یعنی معروف سے مراد وہ باتیں ہیں جو شریعت میں پسندیدہ [illegible] سے مراد نہیں [illegible]
[illegible] حدیث کا یہی [illegible] یہ سمجھنا چاہئے کہ اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے [illegible]
[illegible] بغاوت [illegible] بلکہ [illegible] کا مطلب [illegible]

ہو لازم آتی ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) عن علی رضی اللہ عنہ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریۃ واستعمل علیہم رجلا من الانصار وامرہم ان یسمعوا لہ ویطیعوا، فعصوہ فی شیء۔ فقال اجمعوا الی حطبا، فجمعوا۔ ثم قال اوقدوا نارا، فاوقدوا، ثم قال الم یامرکم رسول اللہ ان تسمعوا لی وتطیعوا؟ قالوا بلی۔ قال فادخلوھا، فنظر بعضہم الی بعض وقالوا انما فررنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من النار۔ فکانوا کذلک حتی سکن غضبہ وطفئت النار، فلما رجعوا ذکروا ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ، فقال لو دخلوھا لم یخرجوا منہا ابدا۔ وقال لا طاعۃ فی معصیۃ اللہ، انما الطاعۃ فی المعروف۔ (متفق علیہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم پر ایک دستہ روانہ کیا اور ایک انصاری کو اسکا امیر مقرر کیا اور (اس دستے کے) لوگوں کو حکم دیا کہ ان کی اطاعت کریں۔ لوگوں نے کسی بات میں ان کی نافرمانی کردی (جس سے وہ غصہ ہوگئے) اور فوراً لکڑیاں جمع کرنیکا حکم دیا چنانچہ لوگوں نے لکڑیاں جمع کردیں تو حکم دیا کہ ان میں آگ لگاؤ۔ لوگوں نے آگ لگادی، اس کے بعد انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا کیا رسول اللہ نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ سب نے کہا، ضرور دیا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا تو میں تمہیں اس آگ میں کودنے کا حکم دیتا ہوں۔ یہ حکم سن کر لوگ ایک دوسرے کی طرف تکنے اور کہنے لگے، آگ ہی سے بچنے کے لئے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑا، پھر اسی میں کیسے کودیں! اسی رد وکد میں کچھ وقت گزر گیا یہاں تک کہ ان کا غصہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا اور آگ بھی بجھ گئی۔ اس کے بعد جب یہ لوگ اس مہم سے واپس آئے تو اس واقعہ کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ نے فرمایا اگر اس آگ میں کود پڑتے تو پھر کبھی اس میں سے نکلنا نصیب نہ ہوتا اور فرمایا کہ امر کی اطاعت، اللہ کی نافرمانی میں نہیں ہے۔ اطاعت صرف معروف میں ہے۔

(۴) وللطبرانی عن عبادۃ سیلی امورکم من بعدی رجال یعرفونکم ما تنکرون

طبرانی میں عبادہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تمہارے معاملات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وینکرون علیکم ما تعرفون، فلا طاعة لمن عصى الله۔

سربراہ ایسے لوگ ہونگے جو تمہارے سامنے ان باتوں کو معروف کی حیثیت سے پیش کریں گے جن کو تم منکر سمجھتے ہو اور وہ ان باتوں کو منکر قرار دیں گے جن کو تم معروف مانتے ہو، سو جان لو کہ تم پر ان کی اطاعت نہیں ہے جو اللہ کی نافرمانی کریں۔

(۵) وعند ابن ابی شیبة من حدیث عبادة سیکون علیکم امراء یامرونکم بما لا تعرفون و یفعلون ما تنکرون فلیس لاولئکم طاعة

مسند ابن ابی شیبہ میں عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب تم پر ایسے امراء مسلط ہونگے جو تم کو ایسی باتوں کا حکم دینگے جو تمہارے نزدیک معروف نہیں ہونگی اور وہ ایسی باتیں کریں گے جن کو تم منکر قرار دو گے تو ایسے امراء کی اطاعت تم پر نہیں ہے۔[1]

اسی طرح مختلف روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرات صحابہ جب خلفا اور امراء سے اطاعت کی بیعت کرتے تھے تو اس کے ساتھ یہ شرط لگاتے تھے کہ یہ اطاعت صرف اسی وقت تک ہے جب تک صاحب امر کی طرف سے اللہ اور اس کے رسول کے طریقے کی پیروی کی جائیگی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے وقت کے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو جو بیعت نامہ لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:-

عن عبد الله بن دینار ان عبد الله بن عمر کتب الی عبد الملک بن مروان یبایعه فکتب الیه: بسم الله الرحمن الرحیم لعبد الله عبد الملک امیر المؤمنین، سلام علیک، فانی احمد

عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے عبدالملک بن مروان کو اپنی بیعت کا خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندہ عبدالملک امیر المومنین کے نام، السلام علیکم، میں آپ کے سامنے

---

[1] حدیث ۵ اس حالت سے متعلق ہیں جب کہ امراء و حکام خیر و شر اور نیک و بد کے معیار کو اسلام کے معیار سے برعکس کئے دے رہے ہوں۔ جو چیزیں اسلام کی نگاہ میں بری ہوں، انہیں وہ کھلم کھلا معروف و مطلوب بنا رہے ہوں اور جو چیزیں اسلام کی نگاہ میں اچھی اور مطلوب ہوں ان کو خلاف عقل و تہذیب قرار دے رہے ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إليك الله الذي لا إله إلا هو وأقر لك	اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں
بالسمع والطاعة على سنة الله وسنة رسوله	ہے اور آپ سے ... کا سمع وطاعت کا اقرار کرتا ہوں
فيما استطعت - رسولا - احكام الخلافة	جب تک آپ اللہ اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق ہیں۔

ان احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلامی نظام میں صاحبِ امر کی اطاعت کو جتنی اہمیت دی گئی ہے اسی اعتبار سے اس اطاعت کو نہایت سخت شرائط کے ساتھ مشروط بھی کر دیا گیا ہے۔ اگر ایک طرف اطاعت امیر کا یہ مرتبہ ہے کہ جس نے صاحبِ امر کی اطاعت سے سرِ مو انحراف کیا اس کے دین اور دنیا دونوں خطرے میں پڑ گئے تو دوسری طرف امیر کے لئے بھی یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کا قائم کرنے والا ہو، رسول کی سنت پر چلنے والا ہو، معروف کا حکم دینے والا اور منکر سے روکنے والا ہو، نماز اور دوسرے ارکان وشعائر اسلامی کو برپا کرنے والا ہو۔ اگر امیر ان اوصاف سے خالی ہو تو اس کے لئے سمع وطاعت کے وہ احکام بھی نہیں ہیں جو اوپر بیان ہوتے ہیں بلکہ اس کے طریق نبوت سے انحراف کے درجہ اور نوعیت کے لحاظ سے اس کی اطاعت کے احکام بھی بدل جائیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریق نبوت سے حکومت کے انحراف کی تین صورتیں اور ان کے احکام

ایک اسلامی حکومت کے طریق نبوت و سنت سے انحراف کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں اور ان تینوں صورتوں میں اس کی اطاعت و وفاداری سے متعلق شریعت کے احکام بھی درجہ بدرجہ مختلف ہوں گے۔ یہاں ہم انحراف کی ان تینوں شکلوں اور ان سے متعلق احکام کی الگ الگ وضاحت تشریح کریں گے۔

انحراف کی پہلی شکل: انحراف کی پہلی شکل یہ ہے کہ حکومت کا آئین اور نظام تو اسلامی ہو یعنی عدالت و قضاء کے معاملات کتاب و سنت کے اصولوں پر انجام پا رہے ہوں، حدود و تعزیرات اسلامی ہوں، لین دین اور معاملات میں اسلامی قوانین کارفرما ہوں، تہذیب و معاشرت میں غالب رنگ اسلام کا ہو، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے فیصلے کتاب الٰہی کی روشنی میں کیے جاتے ہوں، لیکن امیر اور اس کے دوسرے عمال اور کارکنوں میں وہ دیانتداری اور تقویٰ نہ ہو جو رسول کی خلافت کے شایان شان ہے۔ اس کمی کی وجہ سے وہ بہت سی ایسی باتیں بھی کر گذرتے ہوں جن پر اگرچہ صریح خلاف شرع ہونے کا حکم نہ لگایا جا سکتا ہو لیکن اپنی روح کے اعتبار سے وہ شریعت اسلامی سے بے جوڑ ہوں: زندگی کے مختلف گوشوں میں اسراف و نمائش کی بیماری نمایاں ہو جائے، ادائے فرائض میں سہل انگاری پیدا ہو جائے، رفتار و گفتار میں غرور و تمکنت جھلکنے لگ جائے —— لیکن یہ سب کچھ بس اس حد تک ہو کہ اس کا اسلامی روح کے منافی ہونا محسوس تو ہر صاحب نظر کرے ہو لیکن اسے قطعی طور پر حرام نہ قرار دیا جا سکے، ارباب اقتدار کے اندر جمع مال کی حرص تو پیدا ہو جائے لیکن اس طرح کہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ظاہرداری بھی ساتھ ساتھ قائم رہے، نماز و ں میں تاخیر کر کے ان کی جان تو نکال لی جائے لیکن بہرحال وہ ادا ضرور کی جاتی ہوں۔ نفس کی خواہشوں کی تسکین کے لیے بہت سی بند راہیں کھول تو لی گئی ہوں لیکن دھینگامشتی کے ساتھ نہیں بلکہ شریعت کے ظاہری احترام کو قائم رکھتے ہوئے اس کے لیے شرعی حیلے گھڑ لیے گئے ہوں۔ وقت کے ماحول پر اسلامی رنگ اس قدر چھایا ہوا ہو کہ ارباب حکومت کے لیے کھلم کھلا کسی منکر کا ارتکاب ممکن نہ ہو اور اگر خدا سے بے خوفی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی وجہ سے وہ کوئی خلاف شرع کام کرنا بھی چاہتے ہوں تو عام پبلک کے دباؤ سے مجبور ہوتے ہوں کہ پہلے اس منکر کے لئے کوئی شرعی گنجائش مہیا کریں۔

انحراف کی اس شکل کے احکام | اس طرح کی حکومت اپنے مزاج اور اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اُس حکومت سے کوسوں دور ہے جس کو خلافت علی منہاج السنۃ کہا گیا ہے۔ اس وجہ سے یہ ان تمام خاص امتیازات سے محروم ہو جائے گی جو خلافت علی منہاج السنت کو حاصل ہیں ۔۔۔ اس کے اختیار کیے ہوئے طریقہ کو نظائر (PRECIDENTS) کا درجہ حاصل نہیں ہوگا، ان کے اجتہادات بعد والوں کے لئے دلیل اور حجت کا کام نہیں دیں گے۔ ان کے اجماع کو شرعی اجماع کی حیثیت حاصل نہیں رہے گی، ان کی اطاعت کے لئے دل کا اخلاص بھی ضروری نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کی اطاعت کے خلاف دل کے اندر کراہت موجود ہونا عین تقاضائے ایمان ہوگا اور ہر صاحب ایمان کا یہ دینی فرض ہوگا کہ ان کی خلاف شرع باتوں کے خلاف ان کو تنہائی میں بھی نصیحتیں کرے اور پبلک میں بھی ان پر کھلی تنقید کرکے رائے عامہ کے دباؤ کے ذریعہ سے ان کی اصلاح کی کوشش کرے ۔۔۔ لیکن ان کی محض ان حرکات کی بنا پر نہ ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جائے گا اور نہ ان کی اطاعت سے انحراف کیا جائے گا بلکہ ان کی ان باتوں کے باوجود ان کی اطاعت کی جاتی رہے گی، نمازیں انہی کے پیچھے پڑھی جائیں گی، زکوٰتیں انہی کو ادا کی جائیں گی، حج انہی کی امارت میں کیا جائیگا، جہاد انہی کی قیادت میں ہوگا اور ان کے خلاف تلوار اٹھانے والا فساد فی الارض کا مرتکب ہوگا کیونکہ اس بگاڑ[1] کی اصلاح رائے عامہ کے دباؤ سے بآسانی کی جا سکتی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد
سترون بعدی اثرۃ وامورا تنکرونھا۔	تمہارا سابقہ ایسے امرا سے ہوگا جو اپنے آپکو دوسروں
قالوا	پر ترجیح دیں گے اور ان کی طرف سے تم ایسی باتیں
فما تامرنا یا رسول اللہ ؟ قال ادوا الیھم	دیکھو گے جو شریعت کے خلاف (منکر) ہونگی۔ لوگوں نے پوچھا
حقھم وسلوا اللہ حقکم۔ (بخاری کتاب الفتن)	ایسی حالت کے لئے آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا تم ان لوگوں

[1] یہ الفاظ اس حدیث میں پیش آئند بگاڑ کی نوعیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا حق ادا کرنا اور اپنا حق خدا سے مانگنا۔

اس حدیث میں امراء کی ناانصافیوں اور خلاف شرع حرکات کی طرف اشارہ ہے اور لوگوں کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ جن لوگوں کی طرف سے یہ خلاف شرع باتیں صادر ہوں ان کے خلاف تلوار اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے خلاف تلوار اٹھانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ان کی زیادتیوں اور ناانصافیوں کے باوجود تم پر جو اطاعت کی ذمہ داری ہے وہ برابر ادا کرتے رہو اور تمہارے جو حقوق ان کے ذمہ ہیں اور جن کو وہ ادا نہیں کر رہے ہیں ان کے لئے اللہ سے دعا کرو۔ اس حدیث کے مضمون کی مزید تشریح بخاری شریف ہی کی ایک دوسری حدیث موجود ہے:

عن حذیفۃ بن الیمان، قلت یا رسول اللہ انا کنا فی جاھلیۃ وشر فجاءنا اللہ بھذا الخیر، فھل بعد ھذا الخیر من شر؟ قال نعم۔ قلت وھل بعد ذلک الشر من خیر؟ قال نعم وفیہ دخن۔ قلت وما دخنہ؟ قال قوم یھدون بغیر ھدیی تعرف منھم وتنکرون۔ (بخاری۔ کتاب الفتن)

حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ، ہم جاہلیت اور شر میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خیر (اسلام) کو ظاہر فرمایا تو کیا اس خیر کے بعد پھر شر ظاہر ہوگا؟ آپ نے فرمایا، ہاں اور اس میں کچھ فساد کی آمیزش ہوگی۔ میں نے سوال کیا، یہ فساد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو میری ہدایت سے ہٹ کر رہنمائی کریں گے۔ ان سے معروف و منکر دونوں قسم کی باتیں ظاہر ہوں گی۔

انحراف کی دوسری شکل انحراف کی دوسری شکل یہ ہے کہ نظام اجتماعی فی الجملہ اور فی الاصل تو بظاہر اسلامی ہی

۱؎ اوپر کی حدیث میں جس حالت کا ذکر آیا تھا اس سے اس کی تصریح ہوتی ہے یعنی یہ کہ نظام زندگی اور سارے معاملات فی الاصل اور فی الجملہ تو خیر پر قائم ہیں لیکن فساد نے اس میں کہیں کہیں راہ پالی ہے۔ اس امر کو "خیر — فیہ دخن" کے الفاظ صاف واضح کر رہے ہیں۔ اگر کیفیت "دخن — فیہ خیر" کی ہو جائے تو یہ اس خیر میں شر کی حالت ہوگی کیونکہ اس صورت میں تو خیر سراسر دھوکے اور فریب کا کام دے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر قائم ہو اور اس سے متعلق بیشتر کام بھی اسلام ہی کے اظہار و اعلان اور نام سے کئے جا رہے ہوں لیکن غیر الٰہی قوانین اور غیر اسلامی طریقے بھی سیاسی نظام کے بقا اور حکومت کے قیام و استحکام کے لئے ضروری خیال کئے جاتے ہوں ہر حرکت و عمل کا مقصد تو اسلام کی سربلندی ہی ظاہر کیا جاتا ہو لیکن فی الواقع پیش نظر کلمہ حق کی رفعت اور خدا کی رضا نہ ہو بلکہ زیادہ تر اپنے ذاتی یا قومی حوصلوں کی تکمیل ہو، تہذیب و معاشرت کے سلسلہ میں نام تو بار بار اسلام کا آتا ہو لیکن عملاً ہر گوشہ میں جاہلی تہذیبوں کی نقالی کی جا رہی ہو، زبانوں سے تعریف و توصیف تو بیشتر انہی اخلاقی اقدار کی کی جاتی ہو جو اسلام میں پسندیدہ اور قابل احترام خیال کئے جاتے ہیں لیکن عملاً پیروی اور حوصلہ افزائی اُن اقدار کی ہو رہی ہو جن کو وقت کی جاہلیت پیش کر رہی ہو، عام زندگی میں جن دینی امور کا کچھ اہتمام ہو بھی تو وہ اس وجہ سے نہ ہو کہ اسلام نے ان کے اہتمام کا حکم دیا ہے بلکہ محض اس وجہ سے ہو کہ قومی روایات میں داخل ہو جانے کی وجہ سے ان چیزوں کے ساتھ لوگوں کو . . . . ایک جذباتی قسم کا تعلق ہو گیا ہے اور ان کے ترک کرنے سے اندیشہ ہے کہ عوام کے اندر ایک قسم کی بدگمانی اور بے اطمینانی پھیلے گی۔

اس قسم کی حکومت میں اسلام کو جو جگہ حاصل ہوتی ہے وہ محض قومی مذہب و عقیدہ کی حیثیت سے حاصل ہوتی ہے، بحیثیت ایک نظام زندگی کے حاصل نہیں ہوتی۔ نظام زندگی کی حیثیت سے اصل اقتدار جاہلیت کو حاصل ہوتا ہے، اس وجہ سے لازمی طور پر ہر گوشہ میں اسلام کے نقوش مدھم اور جاہلیت کے نقوش اجاگر ہوتے ہیں۔ اس پہلو سے یہ حکومت سابق الذکر حکومت سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ سابق الذکر حکومت میں نمایاں حیثیت تو اسلام کو حاصل ہوتی ہے لیکن اس اسلام کے اندر کچھ اجزاء فساد و جاہلیت کے بھی مل جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اس دوسری حکومت میں اصلی زور و اقتدار تو جاہلیت کو حاصل ہوتا ہے لیکن جاہلیت اس بادہ گلگوں میں کچھ اجزاء زمزم اسلام کے بھی ملا دیئے جاتے ہیں[1]۔ سابق الذکر حکومت میں خدا اور رسول کے طریقہ سے جو انحراف پایا جاتا ہے اس پر تاویل اور حیلہ کے غلاف لپٹے ہوتے ہیں اور اس دوسری میں جو انحراف پایا جاتا ہے وہ اگرچہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی و سربلندی کا کلمہ پڑھتے ہوئے

---

[1] یعنی خَیْرٌ فِیْہِ دَخَنٌ کے برعکس دَخَنٌ فِیْہِ خَیْرٌ کی حالت ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کیا جاتا ہے لیکن بالکل بے پردہ اور علانیہ ہوتا ہے۔

دونوں کے اندر اس نمایاں اور واضح فرق کی وجہ سے نہ تو اِس حکومت کو پہلی حکومت کے تحت رکھ کے اسکو "اسلامی حکومت" ہی قرار دے سکتے ہیں اور نہ صاف صاف اس پر ایک کھلی ہوئی کافرانہ حکومت ہونے ہی کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مولانا اسمٰعیل شہید نے اپنی کتاب "منصبِ امامت" میں اسکو کفر و اسلام دونوں سے الگ رکھا ہے اور اسکو "حکومت ضالہ" کا نام دیا ہے اور تفصیل کے ساتھ اس کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد اس کا شرعی حکم بیان کیا ہے۔ یہاں ہم مولانا شہید کی اس کتاب سے "حکومت ضالہ" کی بحث کا ضروری حصہ نقل کرتے ہیں۔ "حکومت ضالہ" میں اسلامی قوانین و آداب کے بالمقابل جاہلی قوانین و آداب کے غلبہ اور تفوق کی طرف مولانا ان الفاظ میں اشارہ فرماتے ہیں:-

در ہر امرے از امورِ ریاست و سیاستِ حکمی مخالفتِ شرعِ متین ثابت می گردد، و در ہر معاملہ از معاملاتِ بنی آدم اصلے مقابلِ دین قائم میشود۔ پس ملتے مقابلِ ملتِ مصطفوی برپا میشود، و سنتے مقابلِ سنتِ نبوی برملا آئینِ سلطانی مخالفِ احکامِ ربانی پیدا می گردد و قوانینِ خاقانی مخالفِ شرعِ ایمانی ہویدا!

پس بسا چیز است کہ در شرعِ ربانی حرام است و در آئینِ سلطانی واجب، و ہم چنیں بالعکس۔ مثل اطلاقِ لفظِ "شاہِ شاہاں" و "خداوندِ جہاں" و "جہاں پناہ" و "حضورِ اقدس" و "عرش آشیانی" و "بندہ خاص" و "پرستارِ باختصاص"

اب ریاست و سیاست حکمی (ظاہری) کے معاملات کے ایک ایک پہلو میں شرعِ متین کی مخالفت نمایاں ہونے لگتی ہے اور انسانی زندگی کے مسائل کے ہر گوشے میں دین کے بالمقابل ایک اصول قائم ہو جاتا ہے۔ اس طرح ملتِ مصطفوی کے خلاف ایک نئی ملت اور سنتِ نبوی کے خلاف ایک نئی سنت نمودار ہو جاتی ہے۔ ضابطۂ حکومت صریحاً احکامِ الٰہی کے خلاف نشو و نما پاتا ہے، اور شاہی قوانین کھلم کھلا شریعت ایمانی کے خلاف نمودار ہوتے ہیں۔

پس کتنی ہی چیزیں ہیں جو شریعتِ الٰہی میں حرام ہیں لیکن ضابطۂ حکومت میں واجب قرار پاتی ہیں اور اسی طرح اس کے برعکس۔ مثلاً "شاہِ شاہاں" "خداوندِ جہاں" "جہاں پناہ" "حضورِ اقدس" "عرش آشیانی"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و "قلم قدر توام" داستادن امراء دست بستہ و سرنگون، وعقدِ مجلسِ رقص و سرود، ولبسِ حریر در ایامِ جشن و عید، واستعمالِ ظروفِ سیم و زر، و اظہارِ فرحت و سرور در اعیادِ کفار مثل "نوروز" و "مہرجان" و "ہولی" و "دیوالی" و مثل آں، از مقدماتِ ہزاراں ہزار و معاملاتِ بیشمار ——— ایں ہمہ در شرعِ ربانی حرام است و در آئینِ سلطانی واجب الاہتمام!

و جوابِ "السلام علیک" و حضورِ جماعات و حسنِ معاشرت و خلقِ نیک با ضعفائے بندگانِ الٰہی و مصافحہ و معانقہ با ہر مسلمان و اجابتِ دعوتِ ہر وضیع و شریف و اختلاط با جماہیرِ اہلِ اسلام و حجِ بیت اللہ الحرام و خدمتِ اولیاء اللہ و دوامِ ملازمتِ ایشاں در مجالسِ علم و ذکر و عدمِ مخالفتِ کسے از رؤسا و ضعفاء، و شنیدنِ حوائجِ ذوی الحاجات و امثالِ ذالک، ایں ہمہ در شرعِ ربانی مامور است و در آئینِ سلطانی ممنوع۔

و اخذ عشورِ مالِ تجارت زائد از قدرِ زکوٰۃ و

"بندۂ خاص" "پرستار با اختصاص" اور "قلم قدر توام" وغیرہ الفاظ[1] کا استعمال، امراء کا دست بستہ سر جھکا کے کھڑے ہونا، رقص و سرود کی محفلیں جمانا، جشن و عید کے دنوں میں ریشمی لباس پہننا، سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال اور کفار کی تقریبِ مسرت مثلاً "نوروز" "مہرجان" "ہولی" اور دیوالی اور ایسے ہی دوسرے مواقع پر فرحت و سرور کا مظاہرہ کرنا وغیرہ! الغرض اس طرح کے ہزاروں معاملات اور بے شمار صورتیں ہیں ——— یہ سب خدا کی شریعت میں حرام ہیں، لیکن ضابطۂ حکومت کے لحاظ سے واجب الاہتمام ہیں۔

اس کے برعکس "السلام علیک" کا جواب دینا، نماز باجماعت میں حاضر ہونا، لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا، خدا کے کمزور بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا، ہر مسلمان سے مصافحہ و معانقہ کرنا، ہر وضیع و شریف کی دعوت کو قبول کرنا، جمہور مسلمین سے بے تکلفی برتنا، اور بیت اللہ کا حج کرنا، اولیاء اللہ کی خدمت کرنا، علم و ذکر کی مجالس سے مستقل وابستگی رکھنا، رؤسا اور غربا میں سے کسی کی مخالفت نہ کرنا، اہلِ حاجات کی حاجات کو سننا، وغیر ذالک ——— ان ساری باتوں کے کرنے کا شریعت

---

[1] مولانا شہید نے یہ مثالیں اپنے زمانہ کی شخصی سلطنتوں کو سامنے رکھ کر پیش کی ہیں۔ آپ کلام کو مطابقِ حال کرنے کے لئے ان الفاظ کے وہ بدل پیشِ نظر رکھیئے جو آپ کے اس دورِ جمہوریت میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً ہز میجسٹی، ہز ہائی نس، ہز ایکسی لینسی، عزت مآب وغیرہ وغیرہ، اور وہ طرزِ خطاب جو آپ کے ہائی کورٹوں میں رائج ہے، یعنی میرے خداوند (My Lord.)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعیین نمائندگانِ مردم آزار بر ہر گذرِ دریا و رگذرِ صحرا و بر ہر دروازۂ شہر پناہ برائے دار و گیرِ مسافران و اخذِ چیزے از اموالِ ایشاں و امثالِ ذالک ـــ ایں ہمہ مخالفِ شرعِ ربانی است و موافقِ آئینِ سلطانی۔

و بسا جرم است کہ تعزیر بآں در شرعِ ربانی دیگر است و در آئینِ سلطانی دیگر۔ حدِ دزدی در شرع قطعِ ید است و در آئینِ سلطانی قتل و یا حبس۔ برادرانِ پادشاہ و دختر کہ پدرِ خود بحکمِ شرع شریک اند و بحکمِ آئین محروم۔ تمام مالِ بیت المال در شرع حقِ کافۂ مسلمین است و در آئینِ ملوکِ سلاطین!

بالجملہ آئینِ سلطانی ہم بس طویل و عریض مستوعبِ احکامِ رنگا رنگ و اصولِ گوناں گوں مقابلِ شرعِ ربانی بہم رسیدہ، و تعلیم و تعلّمِ آں در میانِ ارکینِ سلطنت و اساطینِ مملکت مروّج گردیدہ، کہ پدرانِ مشفق برائے تربیتِ پسرانِ خود بہ ہمیں آئین استادانِ ایں فن را ـــ کہ ایشاں را اتالیق گویند ـــ تعیین می نمایند تا تدریجاً ہمیں فن را تعلیم می فرمایند و آں را از کمالاتِ ایشاں می شمارند و از مفاخرِ آنہا می انگارند۔ و خیر خواہانِ سلطنت و ترقی خواہانِ مملکت کہ در صنعتِ تحریر و تقریر قوتِ

ربانی میں حکم دیا گیا ہے، کبھی یہ ضابطۂ حکومت کے رُو سے ممنوع ہو جاتی ہیں[1]۔

اور مالِ تجارت میں قدرِ زکوٰۃ سے زائد محصول لینا، ہر دریائی گھاٹ اور صحرائی گذرگاہ پر اور شہر کے ہر دروازے پر مسافروں کی داروگیر کرنے اور ان کے مالوں میں سے کچھ وصول کرنے کے لئے تند خو و مردم آزاروں کا پہرہ لگانا اور اس طرح کے دوسرے امور ـــ یہ سب شرعِ ربانی کے مخالف ہیں اور ضابطۂ حکومت کے مطابق!

اور کتنے ہی جرم ایسے ہیں کہ جن کی سزا خدا کی شریعت میں کچھ اور مقرر ہے اور ضابطۂ حکومت میں کچھ اور۔ مثلاً چوری کی سزا شریعت میں قطعِ ید ہے لیکن ضابطۂ حکومت کے رُو سے قتل یا قید ہے۔ بادشاہ کے بھائی اور لڑکی پدری میراث میں قانونِ شریعت کے لحاظ سے حصہ دار ہیں لیکن ضابطے کی رُو سے محروم۔ بیت المال کا سارا مال شریعت کے حکم سے جملہ مسلمان عوام کا حق ہے لیکن ضابطے کی نگاہ میں بادشاہوں کی ملکیت قرار پاتا ہے۔

مختصر یہ کہ ضابطۂ سلطانی بہت طویل و عریض ہے جو شریعت کے مقابلے میں رنگا رنگ احکام اور گوناگوں اصول پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس کا سیکھنا سکھانا ارکینِ حکومت اور عمائد

---

[1] ممنوع ہو جانے کے معنی یہی ضروری نہیں ہے کہ ان کو قانوناً روک دیا جائے بلکہ عملاً ان کا ترک کر دینا اور ان کو معیارِ تہذیب و ترقی سے گری ہوئی چیز خیال کرنے لگ جانا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لسانی و بلاغتِ بیانی میدارند، کتب و رسائل
دریں درست میگردانند، و آں را بدلائل و شواہد
و دلائل بہ پایۂ اثبات می رسانند۔ چنانچہ رسالۂ
در تحلیلِ لبسِ حریر مشہور است و مسئلۂ تجویزِ سجدہ
برائے سلاطین معروف۔ و آئینِ اکبری دریں
کتابیست مبسوط!

سلطنت کے حلقوں میں رواج پا جاتا ہے۔ اور پدرانِ شفیق
اپنے بیٹوں کو خوش تحریری میں مہارت اور تقریر میں زورِ بیان رکھنے
ہیں، اس فن میں کتب و رسائل تصنیف کرتے ہیں اور اس
(فن ضابطۂ سلطانی) کو دلائل و شواہد کے زور سے پایۂ
ثبوت تک پہنچاتے ہیں، جیسے کہ ایک رسالہ ریشمی لباس
کو حلال کرنے کے موضوع پر مشہور ہے یا جیسے بادشاہوں
کے لئے سجدہ کو جائز کرنے کے مسئلے کا چرچا ہے۔ اور اس فن میں "آئینِ اکبری" ایک مبسوط کتاب ہے۔

انحراف کی اس شکل کے احکام

آگے چل کر حضرت شہید اس کے اندر اسلامی آداب و مراسم کے امتزاج کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اس حکومت کا شرعی حکم بیان فرماتے ہیں۔

ہر چند امثالِ ایں سلاطین فی الحقیقت از قبیلِ
کفارِ اشرار اند و از جنسِ اہلِ نار، فاما از بس کہ
بزبانِ خود دعوائے اسلام میکنند پس کفر ایشاں
مستور است و ایمانِ ایشاں ظاہر، و شاہدِ تصدیقِ
ہمیں دعوائے ظاہری از رسومِ اسلام مثلِ عقدِ
نکاحِ دختراں و اظہارِ تجمل بروزِ عید الفطر و عید الاضحٰے
و تجہیز و تکفین و نمازِ جنازہ و دفن در مقابرِ مسلمین در دیارِ
خود جاری میدارند، و از شرعِ ربانی بالکل دست
بردار می شوند۔ آرے آئینِ سلطانی را در حقِ خود
و ملازمانِ خود واجب العمل می انگارند۔ چنانچہ در
محاوراتِ خود آئین را با شرع ضم کردہ در تلفظ استعمال
می کنند۔ مثلاً می گویند کہ ہر چند شرع اصل است

اگرچہ ایسے فرماں روا حقیقت کے اعتبار سے کفار،
اشرار میں شامل ہیں اور دوزخیوں کی قسم میں سے ہوتے
ہیں، لیکن چونکہ اپنی زبان سے مسلمان ہونے کا دعوائے
کرتے ہیں اس وجہ سے ان کا کفر پوشیدہ رہتا ہے اور
ایمان ظاہر۔ وہ اپنے اس دعوائے ظاہر کی تصدیق
شہادت کے لئے اسلام کی چند رسموں، مثلاً لڑکیوں
کا نکاح کر کے دینا، عید فطر اور عید الضحٰی پر شان و شوکت
کا مظاہرہ کرنا، تجہیز و تکفین، نمازِ جنازہ اور مسلمانوں
کے قبرستانوں میں دفن ہونا وغیرہ عمل میں لاتے ہیں،
اور خدا کی شریعت سے پوری طرح دست بردار نہیں ہوتے
البتہ ضابطۂ سلطانی کو اپنے لئے اور اپنے ملازمین کے
لئے واجب العمل ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ اپنے خاص محاورات

٭ اسی ضابطے کے مطابق تربیت دلانے کیلئے اس خاص فن کے استادوں کو کہ جنہیں اتالیق کیا جاتا ہے مقرر کرتے ہیں اور درجہ بدرجہ اسی فن کی تعلیم دلاتے ہیں اور اس علم کو اپنے م
[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اما دربابِ سیاست با شرع طورہ ہم باید و مراد از طورہ آئینِ چنگیز خاں ست۔

پس ہمیں دعوائے اسلام کہ بظاہر از زبانِ ایشاں سر بری زند، ایشاں را از کفرِ صریح محفوظ می دارد۔ اگرچہ کفرِ مخفی در مواخذۂ اُخرویہ کافی ست فاما اسلام ظاہری مقتضیِ ہمیں معنی ست کہ با ایشاں در احکام دُنیویہ معاملۂ مسلمین بہ عمل می آیند و ایشاں را ہم در باب معاملات از جنسِ مسلمین شمارند۔

گو کہ در آخرت با کفارِ اشرار در درکاتِ نار مخلّد باشند، و در دار و گیر ربِ قدیر تا ابد الآباد مانند و یا وسعتِ رحمتِ الٰہیہ دست گیریِ ایشاں نماید — خواہ قبل التعذیب، خواہ بعد التعذیب ایشاں را مغفرت فرماید۔ بالجملہ حالِ معاد ایشاں بعلمِ علام الغیوب سپارند و در احکام معاش معاملۂ مسلمین با ایشاں بعمل آرند

میں آئین و شریعت کو مرکب کر کے کلام کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ اگرچہ شریعت ہی اصل چیز ہے لیکن سیاسی معاملات کے لئے شریعت کے ساتھ "طورہ" (عقلی قانون) بھی ہونا چاہیئے اور اس عقلی قانون سے ان کی مراد چنگیز خانی آئین ہوتا ہے۔

پس یہی دعوائے اسلام جو ظاہر طور پر ان کی زبان سے صادر ہوتا ہے انہیں کفرِ صریح سے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ آخرت کے مواخذہ کے لئے خفیہ کفر کافی ہے۔ لیکن ظاہری اسلام کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے ساتھ دنیوی احکام میں مسلمانوں کا سا سلوک کیا جائے اور معاملات کی حد تک انہیں بھی مسلمانوں ہی کی جنس میں شمار کیا جائے۔

اگرچہ آخرت میں وہ کفارِ اشرار کے ساتھ آگ کے گڑھوں میں ڈالے جانے والے ہوں اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ربِ قدیر کی دار و گیر میں مبتلا رہیں، یا ممکن ہے کہ رحمتِ الٰہی کی وسعت عذاب دیئے بغیر یا عذاب دے کر ان کی مغفرت فرما دے لیکن بہر حال انکی عاقبت کا معاملہ علام الغیوب کے علم کے حوالے کرنا چاہیئے اور دنیوی زندگی کے معاملات میں ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد حضرت شہید اس حکومت کی اطاعت و بغاوت سے متعلق شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت

۱؎ واضح رہے کہ مولانا اسمٰعیل شہید یہ تیموری خاندان کے فرمانرواؤں کا ذکر فرما رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

سلطانِ مضل ہر چند رئیس المفسدین است و امام المبتدعین، و ریاستِ او بہ نسبتِ دین ستمے ست قاتل، و امامتِ او بحکم کتاب و سنت وہمے ست باطل، امّا از آنجا کہ راہِ معاملۂ اسلام با او مسلوک است تکفیرِ او مشکوک! بنائً علیہ از اہلِ بغی بروے و خروج از اطاعتِ او، نیز از مسائل اختلافیہ است۔ پس شخصِ محتاط را لازم ست کہ خود بداں اقدام نہ فرماید و دیگرے را بر و ملام نہ سازد یعنی خود راہِ بغی و خروج نہ پیماید و اگر کسے با او مخالفت و منازعت نمود زبانِ طعن بر و نکشاید ـــــ چنانکہ بسیارے از علماء اہل سنت خود بر قتل و نہبِ روافض دست نمی کشایند، فامّا بر مجوزینِ ایں امر علماء ماوراء النہر اعتراض نمی نمایند۔ . . . .

مگر آنکہ قیامِ خلافتِ راشدہ یا سلطنتِ عادلہ بر تقدیرِ برہم زدنِ ریاستِ او متیقن یا شد، پس دریں صورت برافروختن اعلامِ قتل و قتال و برانداختنِ آں مبتدعِ ضال در حقِ ملت و اہلِ ملت منفعتے خواہد بخشید، و الّا لعوام و خواص بے شک مضرتے خواہد رسید!

سلطانِ مضل (حکومتِ بدراہ) اگرچہ رئیس المفسدین اور امام المبتدعین ہوتا ہے اور اسکی حکومت دین کے حق میں سمِ قاتل اور اسکی امامت کتاب و سنت کے رُو سے وہم باطل کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس بنا پر اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنا اس سے تعلق رکھتا ہے اسکی تکفیر کرنا ایک مشتبہ مسئلہ ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف بغاوت کا اعلان کرنا یا اسکی طاعت سے انحراف کرنا بھی اختلافی مسائل میں سے ہے۔ پس ایک محتاط شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خود تو اس طرح کا اقدام نہ کرے لیکن ایسا کرنے والے کو ملامت بھی نہ کرے؛ دوسرے لفظوں میں خود تو اسے بغاوت سے باز رہنا چاہیئے لیکن اگر کوئی دوسرا اس (سلطانِ مضل) کی مخالفت و منازعت پر کمربستہ ہو تو اُس پر زبانِ طعن نہ کھولے۔ بالکل اسی طرح جیسے بہت سے علماء سنت خود تو روافض کے قتل و غارت کیلئے ہاتھ نہیں اٹھاتے لیکن ماوراء النہر کے اُن علماء پر اعتراض بھی نہیں کرتے جو اس فعل کو جائز ٹھہراتے ہیں۔

ہاں لیکن اس صورت میں جب کہ سلطانِ مضل کی ریاست کو برطرف کر دینے پر ہی خلافتِ راشدہ یا کم سے کم سلطنتِ عادلہ کا قیام منحصر ہو تو اس صورت میں جنگ و جدال کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھنڈے اٹھانا اور اُس گمراہ بدمتی کا تختہ اُلٹنا ملت اور اہل ملت کے حق میں بہت نفع مند ثابت ہوگا۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو اسکی وجہ سے خواص وعوام سب کو سخت نقصان پہنچے گا۔

حضرت شہید کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس قسم کے امراء اور حکام اپنی انفرادی حیثیت میں تو مسلمان ہیں لیکن ان کی حکومت مسلمان نہیں ہے۔ اس کے خلاف بغاوت کرنے میں اگر شرعاً کوئی چیز مانع ہوسکتی ہے تو وہ صرف یہ اندیشہ ہے کہ کہیں انارکی اور بدنظمی اسکی جگہ نہ لے لے۔ مگر ان کی حکومت سے عدم تعاون اور پُرامن جدوجہد سے اسکو بدلنے کی سعی واجب ہے اور اگر کوئی شخص یہ خیال رکھتا ہو کہ مسلح جدوجہد کرکے وہ بدنظمی نہیں بلکہ نظامِ اسلامی قائم کرسکیگا تو ایسا کرنا اس پر ضروری ہے۔ یہ بات متعدد احادیث سے معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود کی وہ روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"ثم انہا تخلف من بعدھم خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مومن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مومن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مومن ولیس وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل۔" (مسلم)

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین ہونگے جو باتیں وہ بنائیں گے جن پر عمل نہ کریں گے اور عمل وہ کریں گے جس کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ تو جس نے ہاتھ سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے زبان سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے دل سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ مومن ہے، مگر جو دل سے بھی برا نہ مانے اس کے اندر رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔"

اور کعب بن عُجرہ کی وہ حدیث جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شُعہاء کی حکمرانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"فمن دخل علیھم فصدقھم بکذبھم واعانھم علی ظلمھم فلیس منی ولست منھم ولن یرد علی الحوض۔۔ ومن لم یدخل علیھم ولم یصدقھم بکذبھم

جو ان کے پاس گیا اور جس نے ان کے جھوٹ کی تائید کی اور ان کے ظلم وستم میں ان کا ساتھ دیا اس کا مجھ سے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور وہ حوض کوثر پر ہرگز میرے پاس نہ آسکیگا۔ اور جو ان کے پاس نہ گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولم یعنھم علی ظلمھم فاولٰئک منی
وانا منھم و اولٰئک یردون علی الحوض۔
(الترمذی والنسائی)

اور جس نے ان کے جھوٹ کی تائید نہ کی اور ان کے ظلم میں
ان کا حامی نہ بنا وہی میرا ہے اور میں اس کا ہوں اور وہی
میرے پاس حوض کوثر پر آسکیگا۔"

انحراف کی تیسری شکل

انحراف کی تیسری شکل یہ ہے کہ حکومت ہو تو مسلمانوں کی لیکن اسلامیت کا اس میں یا تو سرے سے کوئی جز ہو ہی نہیں یا ہو تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ اسلامیت کا جز ہے بلکہ محض ایک قومی روایت کی حیثیت سے۔ کارکنان حکومت مدعی تو ہوں مسلمانوں کے گروہ میں سے ہونے کے لیکن حکومت کا سارا نظام یا تو دین سے بے تعلقی (Indifference) کے نظریہ پر چل رہا ہو یا اس کی پوری مشین رات دن اسلام کشی میں سرگرم ہو۔ حیات اجتماعی کے ہر گوشہ میں اسلامی اقدار کو پست اور جاہلی اقدار کو سربلند کیا جا رہا ہو۔ زندگی کے اسلامی نظریات کی تحقیر کی جا رہی ہو۔ اسلامی آداب تہذیب و معاشرت کو دقیانوسی اور خلافِ تہذیب و ترقی قرار دے کر ختم کیا جا رہا ہو اور اقتدار حکومت کے تمام وسائل کو خالص کافرانہ تہذیب و معاشرت کے فروغ دینے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہو۔ جو لوگ اسلام اور اسلامی زندگی کی ترقی کے خواہاں ہوں وہ مختلف سیاسی اور غیر سیاسی تدبیروں سے بے نشان کیے جا رہے ہوں اور جو لوگ اسلام کی بیخ کنی کے درپے ہوں ان کو ابھار ابھار کر پبلک کے دل و دماغ پر مسلط کیا جا رہا ہو۔ اسلام کی ترقی چاہنے والے قومی آزادی و ترقی کے دشمن اور ملکی تحفظ کو خطرہ میں ڈالنے والے سمجھے جاتے ہوں اور اسلامی شریعت کا عملی اور قولی دونوں حیثیتوں سے مذاق اڑانے والے قومی ہیرو اور غازی مجاہد سمجھے جاتے ہوں۔ بہتر ہو گا کہ اس حکومت کی خصوصیات بیان کرنے کے لئے بھی ہم مولانا اسمٰعیل شہید ہی کے الفاظ مستعار لے لیں۔ وہ فرماتے ہیں[1]:-

باید دانست کہ مراد از سلطنتِ کفر دریں مقام
حکومتِ کفارِ اصلی نیست، بلکہ مقصود ازاں سلطنت
قومے ست کہ جانِ خود را از زمرۂ مسلمین می شمارند
و موجباتِ کفرِ صریح بعمل می آرند۔ و از ایشاں نسبت بہ

واضح رہے کہ "سلطنتِ کفر" سے یہاں اصل کفار کی حکومت
مراد نہیں ہے، بلکہ کسی ایسی ٹولی کی حکومت مراد ہے
کہ جو اپنے آپ کو مسلمانوں کے زمرے میں شمار بھی
کرے اور پھر کھلے کھلے موجباتِ کفر کو عمل میں بھی

[1] "منصبِ امامت" مولفہ مولانا اسمٰعیل شہید۔ بحث "سلطنت کفر"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکامِ شرع آں قدر مخالفت وعناد سادر
می شود کہ بر ایشاں حکمِ کفر وارتداد ثابت می
گردد۔ بیانش آنکہ بعضے اشخاص ۔ اعتبارِ
اصلِ جبلت ملحد مزاج وزندیق طبع می باشند
کہ ہرچند بظاہر کلمۂ اسلام می خوانند۔ تا خدا و رسول
را و دین و مذہب را و حساب و کتاب را
بالیقین نمی دانند ہمیں نشیب و فرازِ دنیوی
را نشیب و فراز می پندارند و ہمیں حصولِ
جاہ وجلال و تحصیلِ مال ومنال را اصلِ کمال
می انگارند۔ ہر کہ در ہمیں ابواب غریق و
منہمک است ہموں است نزدیک ایشاں
زکی و عاقل، و ہر کہ ازاں معرض و غیر ملتفت است،
ہموں ست نزدِ ایشاں غبی و جاہل۔ چیزے
کہ باعثِ تحصیلِ دنیائے دوں نباشد،
ہموں است نزدِ ایشاں لغو ولاطائل شئے
کہ ثمرۂ حصولِ نام ونشاں نباشد ہموں ست
نزدِ ایشاں رنجِ بے حاصل پس انبیاء اللہ
و سائر ہادیانِ راہِ حق را از جنس عقلائے
جاہ طلب می شمارند و اتباعِ ایشاں را از
جنسِ سفہائے بے عقل می انگارند کہ بعضے
ہائے ایشاں بغرور گرویدند و بہ مواعید بربستہ

لاتے ۔ اور ایسے لوگوں سے شریعت کے احکام
کے بارے میں اتنی مخالفت اور دشمنی ظاہر ہوتی ہے کہ ان
پر کفر و ارتداد کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کی
تفصیل یہ ہے کہ بعض اشخاص اپنی فطری جبلت سے
خلقی ملحد مزاج اور زندیق طبع ہوتے ہیں جو
اگرچہ ظاہراً اسلام کا کلمہ پڑھ لیتے ہیں لیکن خدا اور
رسول، دین اور مذہب اور حساب اور کتاب پر
دل سے یقین نہیں رکھتے ۔ بس دنیوی ترقی اور
تنزل ہی کو ترقی و تنزل سمجھتے ہیں اور جاہ و جلال
اور مال و منال حاصل کر لینے ہی کو اصلی کمال تصور
کرتے ہیں۔ جو کوئی انہیں سرگرمیوں میں ڈوبا رہے
بس وہی ان کے نزدیک ذہین و فطین ہوتا ہے۔
اور جو کوئی ان سے کنارہ کش اور بے نیاز رہے وہ
ان کی نگاہ میں جاہل اور غبی قرار پاتا ہے ۔ جو چیز
دنیائے دوں کے حصول کا سبب نہ بنے اسے یہ
فضول سمجھتے ہیں اور جس محنت کے نتیجے میں
نام و نمود حاصل نہ ہو اسے رنجِ بے حاصل جانتے
ہیں۔ چنانچہ خدا کے رسولوں اور راہِ حق کے دیگر
کو ہشیار جاہ طلبوں میں سے شمار کرتے ہیں اور
ان کے پیروں کو فریب خوردہ احمقوں کا درجہ دیتے
ہیں کہ جو ان کی باتوں سے مسحور ہو گئے اور ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایشاں مسدود۔ پس رعایتِ ملت و سنت
را در جمیعِ افعال و اقوال از جنسِ حماقت می
شمارند و قیدِ مذہب و مشرب را در عادات و
معاملات از قبیلِ سفاہت، و کشیدنِ رنج و
کلفت در عبادات نزدِ ایشاں محض نادانی
است و تبتل و توکل علامتِ عجز و ناتوانی۔
پس چوں امثالِ ایں اشخاص بہ منصبِ سلطنت
می رسند و متمکن بہ سریرِ مملکت می شوند،
آئینِ سلطانی را کہ بظاہر باعثِ انتظام و رونق
سلطنت است، مطابقِ فراست و کیاست
می دانند و شرعِ ربانی کہ نزدِ ایشاں بے حاصل
است از جنسِ رسومِ سفاہت می شناسند،
پس لابد زبانِ طعن بروی می کشایند، و او را در
نظرِ ملازمانِ خود محقر می نمایند و بہ طائفۂ
استقبال او می جویند و راہِ معارضہ او می پویند، و
برامر حکمِ آئینِ سلطانی را ترجیح میدہند حکمِ شرعِ ربانی را
تسفیہ میکنند، و منافعِ آں را بہ چرب زبانی تفصیل میدہند، و مضار
ایں را بہ تلبیس تبیین میکنند۔
و گاہے در ہر چیز ایشاں رمزے می باشد
بر ملتِ رب العالمین، و طعنے می باشد
بر سنتِ سید المرسلین۔ گاہے کلامِ خود را

وطنٹے فرزا پر اطمینان کر بیٹھے۔ سو ایسے لوگ اپنے تمام
اقوال و افعال میں دین اور سنت کا لحاظ رکھنے کو بے
وقوفی سمجھتے ہیں اور عادات و معاملات میں مذہب
و مشرب کی پابندی کو جہالت کا درجہ دیتے ہیں۔
عبادات کی مشقت اٹھانا ان کی نگاہ میں نری حماقت
ہوتا ہے اور صبر و توکل کرنا کمزوری اور ناطاقتی!
پس جب اس طرح کے لوگ حکومت کے منصب
پر براجمان اور تختِ شاہی پر قابض ہو جاتے ہیں
تو آئینِ سلطانی[1] کو جو بظاہر ان کے نزدیک سلطنت
کی رونق کا موجب ہوتا ہے، عقل و حکمت کے تقاضوں
کے مطابق یقین کرتے ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں
خدا کی شریعت کو جو ان کی نگاہ میں بالکل بے فائدہ
ہوتی ہے احمقانہ رسوم کا درجہ دیتے ہیں چنانچہ
لازماً وہ شریعت کے خلاف زبانِ طعن دراز کرتے
ہیں، اور اس طرح اسے اپنے ملازمین کی نگاہوں
میں بے وقر بناتے ہیں، اور مختلف تدبیروں سے
اس کی بیخ کنی کی کوشش کرتے ہیں نیز اس کے
خلاف سرکشی کے راستے نکالتے ہیں۔ ان کا نتیجہ
یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر معاملے میں شاہی قانون
کے فیصلوں کو ترجیح دیتے ہیں اور شریعتِ خداوندی
کے فیصلوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ پھر یہ حضرات

[1] آئین سے مراد شریعت کے بالمقابل انسانوں کے وضع کردہ [illegible] قوانین [illegible] وضع کیے ہوئے ضابطے ... [illegible] ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باشعارِ شعرائے یاوہ گو پیوند می کنند و گاہے بہ تشبیہاتِ علماءِ جاہ جو و گاہے دعوئے خود را بہ کلامِ فلاسفہ مدلل می کنند و گاہے بہ تموِیہ ملاحدہ۔

پوری چرب زبانی سے اولی الذکر کے فوائد کی تشریح کریں گے اور نہایت مغالطہ انگیز طریقوں سے آخر الذکر کے نقصانات واضح کریں گے۔ مختصر یہ کہ ان کی ہر بات میں دینِ ربّ العالمین پر نکتہ چینی اور سنتِ سید المرسلین پر طنز ضرور شامل ہوتا ہے۔ کبھی اپنی گفتگو میں یاوہ گو شعرا کے اشعار کا جوڑ لگائیں گے اور کبھی جاہ پرست علماء کے حوالے دیں گے، پھر کبھی اپنے دعوے پر فلسفیوں کی خیال آرائیوں اور کبھی ملحدوں کی نکتہ طرازیوں سے دلیل لائیں گے۔[1]

انحراف کی اس شکل کے احکام

اس کے بعد حضرت شہید اس قسم کی حکومت اور اس قسم کے حکمرانوں کے متعلق شرعی حکم بیان کرتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو ان سے سابقہ پیش آجائے تو ان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ فرماتے ہیں:-

پس ایں قسمِ سلاطین بلا شک از جنسِ کفارِ متمردین اند و زنادقۂ مرتدین، جہاد با ایشاں از ارکانِ اسلام است، و اہانتِ ایشاں اعانتِ سید الانام۔ سلطنت ایشاں اصلاً از جنسِ امامتِ حکمیہ نیست، و اطاعتِ ایشاں بوجہے من الوجوہ از امورِ شرعیہ نہ۔ کما روا عُبادۃ بن الصامت انہ قال: بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان

پس حکمرانوں کی اس قسم کا شمار بلا شبہ سرکش کافروں اور مرتد زندیقوں میں ہے۔ ان کے خلاف جہاد کرنا ارکانِ اسلام میں داخل ہے اور ان کی تذلیل کرنے سے سردارِ مخلوقات صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا حق ادا ہوتا ہے۔ ایسے حکمرانوں کی حکومت امامتِ حکمیہ "(اسلامی سلطنت)" کی تعریف میں نہیں آتی اور ان کی اطاعت کرنا ایک قطعی دلیل کی رُو سے غیر شرعی فعل ہے۔ جیسا کہ عبادہ بن صامت سے

[1] حضرت شہید نے آخر میں جو بات فرمائی ہے وہ نہایت قابلِ غور ہے۔ خدا اور رسول سے جن لوگوں کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے وہ اپنی باتوں کو لوگوں کی نگاہوں میں مزین کرنے کے لئے دینی مصنوعی طریقوں سے کام لیتے ہیں اور جہلاء ان چیزوں سے آسانی کے ساتھ فریب میں آجاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاننازع الامر اهلہ الا ان تروا کفراً بواحاً عندکم من اللہ فیہ برہان۔

سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب پر بیعت لی کہ ہم اپنے اربابِ امر سے اس وقت تک تصادم نہ کریں گے جب تک کہ ان کی طرف سے کوئی ایسا کھلا کھلا کفر صادر ہوتا نہ دیکھیں جس کے کفر ہونے پر اللہ کے دین کی طرف سے تمہارے پاس قطعی حجت موجود ہو۔

آگے چل کر اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

وقیام سلطنتِ ارتداد مشابہ بہ غلبۂ کفا ست کہ بر تمام مسلمین فرضِ عین می شود کہ بہ جہاد قائم بگردانند، و فسادِ آں بہ شمشیر بنشانند، واگر نتوانند، ازاں اقلیم ہجرت نمایند و بہ دارالاسلام فرود آیند۔

اور ایسی سلطنتِ ارتداد کا قائم ہو جانا غلبۂ کفار کے مشابہ ہے، چنانچہ مسلمانوں کے ذمے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کے خلاف جہاد بپا کریں، اور اس فساد کو بزورِ شمشیر دبا دیں، لیکن اگر ایسا نہ کر سکیں تو ایسی ولایت سے ہجرت کریں اور "دار الاسلام" (اسلامی حکومت) میں آجائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو سوال؟

یہ ساری بحث پڑھنے کے بعد ممکن ہے بعض لوگوں کے ذہن میں حسب ذیل دو سوال پیدا ہوں:

ایک یہ کہ اگر اسلامی حکومت فساق کے ہاتھوں میں آجانے کے باوجود بھی شرعاً اسلامی حکومت ہی کے حکم میں داخل رہتی ہے (ادنیٰ درجہ ہی میں سہی) اور اس کی اطاعت سے دست کشی اور اس کے مقابلہ میں کوئی مخالفانہ اقدام جائز نہیں ہے جب تک کہ اہل حکومت کی طرف سے کسی کفر صریح کا اعلان و اظہار نہ ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ تو ان کی بدعملیوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے لئے انتظار میں بیٹھے رہیں گے کہ ابھی اہل حکومت نے اپنے کفر و ارتداد کا اعلان تو کیا ہی نہیں ہے اور ادھر برائیاں پھیلتے پھیلتے آہستہ آہستہ اس قدر بڑھ جائیں گی کہ بالآخر صورتِ حال کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی۔

دوسرا یہ کہ مسلمانوں کی کسی حکومت کے فسق کے حدود سے گذر کر کفر صریح کے حدود میں رکھ دینے کے بعد وہاں کے حق پرست مسلمانوں کو اس کے خلاف تلوار اٹھانے کی جو اجازت دی گئی ہے اس کے کچھ مزید شرائط بھی ہیں یا مجرد یہ بات کہ حکومت نے کفر کا اعلان کر دیا ہے اس امر کے لئے کافی ہے کہ اب جو شخص چاہے اس کے خلاف تلوار سونت لے اور جو شخص چاہے ملک چھوڑ کر ہجرت کر جائے؟

پہلے سوال کا جواب: اس حالت میں اطاعت کی قید بلاشبہ دیندار طبیعتوں پر شاق گذرتی ہے اور اس معاملہ میں ان کو دین سے زیادہ سیاست کا پہلو غالب نظر آتا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ اسلام نے اہل حکومت کی طرف سے کفر صریح کے اظہار سے پہلے ایک اسلامی حکومت کی اطاعت سے دست کشی اور اس کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس بارے میں بہت سی ضروری حدیثیں اوپر گذر چکی ہیں لیکن مسئلہ کی اہمیت و نزاکت کے پیش نظر ہم چند احادیث و آثار یہاں مزید نقل کرتے ہیں تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ اس معاملہ میں اسلام کی تعلیم فی الحقیقت یہی ہے۔ فاسق خلفاء کی اطاعت ان صحابہ نے بھی کی ہے جو دین کی ذمہ داریوں اور اس کے مطالبات سے اچھی طرح واقف تھے اور حق کے سوا کسی سیاسی و غیر سیاسی مصلحت سے دبنے والے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں تھے۔ مثلاً

عن عبد الکریم البکاء قال ادرکت عشرۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھم یصلی خلف ائمۃ الجور۔ (رواہ البخاری فی تاریخہ۔ نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۴۰)

عبدالکریم بکاء سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دس ایسے صحابیوں کا زمانہ پایا ہے جو ظالم امراء کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجھاد واجب علیکم مع کل امیر براً کان او فاجراً والصلوٰۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم براً کان او فاجراً وان عمل الکبائر۔ (رواہ ابوداؤد والدارقطنی بمعناہ۔ نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۴۳)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارے اوپر جہاد واجب ہے ہر امیر کی معیت پر خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدکار، اور نماز واجب ہے ہر مسلمان کی اقتداء میں، نیکوکار ہو یا بدکار، اور اگرچہ وہ کبائر کا مرتکب ہو۔

امام بخاری نے ایک روایت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے کہ وہ حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ مؤطا میں ہے کہ عبدالملک کی طرف سے حجاج کو یہ سخت ہدایت تھی کہ جب وہ لوگوں کو حج کرائے تو مناسک حج کی ادائیگی میں تمام تر عبداللہ بن عمرؓ کی ہدایات کی پیروی کرے، اور وہ اس حکم پر پورے اہتمام سے عمل بھی کرتا تھا۔ امارت حج کے سلسلہ میں کوئی قدم عبداللہ بن عمرؓ کے مشورے کے بغیر نہیں اٹھاتا تھا لیکن امیر حج بہرحال وہی ہوتا تھا اور عبداللہ بن عمرؓ باایں ہمہ علم و تقویٰ اسی فاسق و فاجر کی امارت میں حج ادا کرتے اور اسی کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے تھے کیونکہ احکام شریعت کی رو سے وہ اس وقت تک ان فاسق امراء کی اطاعت سے انحراف نہیں اختیار کر سکتے تھے جب تک وہ نمازیں قائم کرتے ہیں اور کسی کھلے ہوئے کفر کا اظہار نہیں کرتے ہیں[1]۔

---

[1] یہ بات بہرحال پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ ذکر اس حالت کا ہے جسے ہم نے اوپر انحراف کی پہلی شکل کے تحت بیان کیا ہے یعنی پورا نظام حکومت اسلام پر قائم تھا، قانون و عدالت، تہذیب، سیاست ہر جگہ اسلام ہی کی حکمرانی تھی۔ امراء و خلفاء بھی شریعت کے فرائض و واجبات ان کی ظاہری شکل و صورت کی حد تک ادا کرتے۔ صرف ان کے اندر سے اسلام کی روح اور خدا کا خوف غائب ہو گئے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام مسلم نے روایت کی ہے کہ مروان نے عید کی نماز پڑھائی اور اس اندیشہ سے کہ ممکن ہے نماز کے بعد لوگ اس کا خطبہ سننے کے لئے نہ ٹھہریں یہ بدعت کی کہ خطبہ نماز سے پہلے ہی دے دیا۔ بعض لوگوں نے اسے اس پر برسر موقع ٹوکا بھی لیکن وہ مانا نہیں۔ مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدری جماعت میں موجود تھے۔ انہوں نے اس کے فسق کی شہرت اور اسکی اس کھلی ہوئی بدعت کے باوجود نماز اسی کے پیچھے ادا کی۔ کیونکہ اسلام نے مسلمانوں کو جس نظم اطاعت کا پابند بنایا ہے اس کے روسے مروان کا فسق یا اسکی یہ بدعت اس بات کے لئے کافی وجہ نہیں تھی کہ ابوسعید خدری رضی اسکی امارت تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے۔

یہ اس نظم اطاعت ہی کا اہتمام ہے جس کی وجہ سے متعدد حدیثوں میں اسبات کی تاکید آئی ہے کہ اگر ایسے امراء برسر اقتدار آجائیں جو نمازوں میں اتنی تاخیر کر دیں کہ بالکل ان کی جان ہی نکال لیں جب بھی نمازیں انہی کی اقتداء میں ادا کی جائیں۔ بعض لوگوں کے سوال پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو اپنی نمازیں ٹھیک وقت پر گھروں کے اندر ادا کر لیا کرنا اور بطور نفل جماعت کی نمازوں میں بھی شریک ہو جانا، یہ نہ کہنا کہ ہم نے نماز پڑھ لی ہے۔

پس اس میں تو ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مسئلہ کی شرعی حیثیت وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ "اسلامی حکومت" کا یہ نظم اطاعت اُس کے اندر پیدا ہونے والی گندگیوں اور خرابیوں کی اصلاح میں کسی نوعیت سے مانع ہے اور وہ لوگوں کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ بس آنکھیں بند کیئے ہوئے خاموشی کے ساتھ حکومت کی اطاعت کئے چلے جائیں اور اس کی کسی برائی کے خلاف زبان نہ کھولیں۔ بلاشبہ "اسلام پر قائم حکومت" جب تک کسی کفر صریح کا اظہار نہ کرے کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس سے اپنے رشتہ وفاداری کو منقطع کر لے یا اسکی اطاعت سے دست کش ہو جائے لیکن حکومت کا وفادار رہتے ہوئے، اس کے اندر پیدا ہونے والی برائیوں کی اصلاح کے لئے دو باتوں کا اسکو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ از روئے شرع وہ دونوں باتیں اس پر واجب ہیں، اور اگر ان میں کسی قسم کی کوتاہی کرے گا تو خدا اور حکومت دونوں کے ساتھ خیانت کرنے کا مجرم ہوگا۔

(۱) ایک یہ کہ کسی مسلمان کیلئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی رضامندی اور آزادی رائے کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی ایسی بات کی اطاعت کرے جو خدا اور اس کے رسول کے حکم کے صریحاً خلاف ہو۔ اس کے متعلق ہم متعدد حدیثیں اوپر نقل کر آتے ہیں۔ یہاں ان میں سے بعض کی صرف یاددہانی کافی ہوگی :۔

"السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب وکرہ ما لم یؤمر بمعصیة۔ فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة (بخاری۔ کتاب الاحکام)

مسلمان کے لئے سننا اور ماننا (اپنے امراء کی اطاعت) ضروری ہے، خواہ گوارا ہو یا ناگوار، جب تک کہ اسکو کسی ایسی بات کا حکم نہ دیا جائے جس کی تعمیل سے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی لازم آتی ہو۔ اگر اسکو کسی ایسی معصیت کا حکم دیا جائے تو ایسی صورت میں نہ سننا ہے اور نہ ماننا۔"

بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں :۔

"الطاعة فی المعروف" امراء کی اطاعت موافق شرع باتوں میں ہے"۔

ایک متفق علیہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں :۔

لا طاعة فی معصیة اللہ انما الطاعة فی المعروف۔

اللہ کی نافرمانی میں اطاعت جائز نہیں ہے۔ اطاعت فقط موافق شرع باتوں میں ہے"۔

(۲) دوسری یہ کہ ملک کے عوام اور حکومت کے کارپردازوں کے اندر جو اخلاقی و اجتماعی برائیاں پیدا ہوں بغیر کسی اندیشہ مخالفت کے ان پر تنقید کرے، ان کا خلاف شرع اور خلاف اخلاق ہونا برملا واضح کرے اور اس راستہ میں جو مصیبتیں بھی اسکو پہنچائی جائیں، خواہ حکومت کے ہاتھوں یا عوام کے ہاتھوں، ان کو مومنانہ عزم وثبات کے ساتھ برداشت کرے۔ مشہور حدیث ہے :۔

"افضل الجہاد من قال کلمة حق عند سلطان جائر۔

افضل ترین جہاد اس شخص کا ہے جو کسی حق سے ہٹے ہوئے سلطان کے آگے کلمہ حق کہے۔

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی۔ احمد)

اسلام نے اس بات کا حکم محض ایک اختیاری نیکی کی حیثیت سے نہیں دیا ہے بلکہ اسکو ہر صاحب ایمان کے فرائض میں داخل کیا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے ملک کے عوام یا اپنی حکومت کے حکام کو حق و دیانت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کتاب و سنت کے خلاف حرکتیں کرتے ہوئے برابر دیکھ رہا ہے اور چپ ہے تو وہ اگرچہ بذاتِ خود کتنا ہی نیک اور دیندار مسلمان ہو لیکن اس فساد کی ذمہ داری میں وہ آخرت میں بھی شریک قرار دیا جائے گا اور اس کے سبب سے اگر دنیا میں اللہ تعالٰے کا عذاب نازل ہوگا تو اس میں بھی وہ اصل مجرموں کے ساتھ ماخوذ ہوگا۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے سورۃ انفال میں اس طرح واضح فرمایا ہے :-

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲۵۔ انفال)

اور اس فتنہ سے بچو جس کی زد میں خاص طور پر وہی لوگ نہیں آئیں گے جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہوگا بلکہ وہ بھی اس کی لپیٹ میں آئینگے جو ظلم کے باوجود اس پر خاموش بیٹھے ہونگے، اور جان لو کہ بیشک اللہ بڑی سخت پاداش دینے والا ہے۔

بعینہٖ یہی تعلیم قدیم صحیفوں میں بھی دی گئی تھی۔ حزقی ایل باب ۳۔ آیات ۱۸-۱۹ میں حزقی ایل کو مخاطب کر کے اللہ تعالٰی کی یہ ہدایت نقل کی گئی ہے :-

"جب میں شریر سے کہوں کہ تو یقیناً مریگا اور تو اسے آگاہ نہ کرے اور شریر سے نہ کہے کہ وہ اپنی بُری روش سے خبردار ہو تاکہ وہ اس سے باز آکر اپنی جان بچائے تو وہ شریر اپنی شرارت میں مریگا لیکن میں اس کے خون کی بازپرس تجھ سے کرونگا لیکن اگر تونے شریر کو آگاہ کر دیا اور وہ اپنی شرارت اور اپنی بُری روش سے باز نہ آیا تو وہ اپنی بدکرداری میں مریگا پر تونے اپنی جان کو بچا لیا۔"

احادیث میں یہ حقیقت مختلف طریقوں سے سمجھائی گئی ہے جس کی تفصیل کسی اور جگہ آئیگی۔ یہاں ہم صرف چند حدیثیں موقع کی ضرورت کے لحاظ سے نقل کرتے ہیں۔ پہلی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تمثیل کے ذریعے سے یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ جب کسی سوسائٹی کے اندر برائیاں پھیلنے لگیں اور دوسرے لوگ، جو ان برائیوں کا برائی ہونا جانتے ہیں، ان کے روکنے کی کوشش نہ کریں تو اس کے سبب سے جو آفت آتی ہے اس میں اچھے اور بُرے دونوں پکڑے جاتے ہیں :-

"نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے حدود پر قائم رہنے والوں اور اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدود کو توڑنے والوں کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کچھ لوگ ایک کشتی کے اوپر اور نیچے کے حصوں پر قرعہ ڈالیں۔ ایک گروہ کو اوپر والا حصہ ملے اور دوسرے گروہ کے حصہ میں نیچے کا حصہ آئے۔ نیچے والوں کو جب پانی کی ضرورت پیش آتی ہو تو اوپر جانا پڑتا ہو۔ وہ یہ دیکھ کر یہ اسکیم بنائیں کہ اگر ہم اپنے حصہ میں کشتی کے پیندے میں سوراخ کرلیں تو ہمیں بھی سہولت ہوگی اور اوپر والے بھی زحمت سے محفوظ ہو جائیں گے۔ نیچے والوں کی اسکیم پر اگر اوپر والے خاموش رہ جائیں اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں انکو کر گزرنے دیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ سب ایک ہی ساعت ہلاک ہونگے اور اگر اوپر والے نیچے والوں کو روک دینگے تو خود بھی محفوظ رہیں گے اور نیچے والوں کو بھی تباہی سے بچا لیں گے۔[1]"

"طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ پہلا شخص جس نے عید کا خطبہ نماز سے پہلے شروع کیا وہ مروان ہے۔ جب اس نے یہ بدعت کی تو ایک شخص نے برسرِ موقع اس کو ٹوکا کہ خطبہ سے پہلے نماز پڑھاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس وجہ سے کیا ہے کہ اب پہلی سی باتیں لوگوں میں نہیں رہی ہیں (یعنی اب خطبہ سننے کے لئے لوگوں کے اندر وہ اہتمام باقی نہیں رہا ہے جو پہلے تھا) اس پر ابو سعید خدری نے فرمایا اس شخص کا جو فرض تھا اس نے ادا کر دیا۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم میں سے جو شخص کوئی بات خلاف شریعت دیکھے اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کر دے، اگر ہاتھ سے اصلاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی اصلاح کر دے، اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔[2]"

"عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے جس امت میں بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بھیجا ہے اس امت کے اندر سے اس کے حواری اور صحابی ہوتے رہتے ہیں جو اس کی سنت کی پیروی اور اس کے احکام کی پابندی کرتے رہتے ہیں۔ پھر انکے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے وہ باتیں کہیں جو کرتے نہیں تھے اور وہ کام کئے جن کا اللہ نے ان کو حکم نہیں دیا تھا، تو جس نے ایسے لوگوں سے ہاتھ سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے ان سے زبان سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے ان سے دل سے جہاد کیا وہ مومن ہے۔ اس سے نیچے رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں[3] ہے۔

[1] بخاری شریف۔ باب ھل یقرع فی القسمۃ

[2] مسلم شریف۔ باب کون النہی عن المنکر من الایمان

[3] مسلم شریف۔ باب کون النہی عن المنکر من الایمان۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"عبادہ بن ولید اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بات کی بیعت کی کہ ہم تنگی اور آسانی، دکھ اور سکھ ہر حال میں سُنیں اور اطاعت کریں اور صاحب امر کی مخالفت نہ کریں اور حق کہیں (یا حق پر قائم رہیں) جہاں کہیں بھی ہوں اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں[1]۔"

"حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ ایسے امرا پیدا ہونگے جن سے معروف و منکر دونوں طرح کی باتیں صادر ہونگی تو جس نے ان کے منکر کو منکر سمجھا وہ بری ہوا اور جس نے اس کے خلاف آواز بلند کی وہ سلامت رہا، البتہ اس کی بدبختی ہے جس نے ان کے خلاف شرع باتوں کو پسند کیا اور ان کی پیروی کرتا رہا۔ لوگوں نے سوال کیا کیا ایسے امراء سے ہم جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پڑھیں اس وقت ان سے جنگ نہ کرو[2]۔"

صحابہ اور تابعین کو اس فرض کی اہمیت کا جس درجہ احساس تھا اس کا اندازہ طبرانی کی مندرجہ ذیل روایت سے ہوتا ہے:۔

حسن سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کو امیر معاویہ نے ہمارے علاقہ کا گورنر مقرر کیا۔ یہ اس وقت بالکل بے شعور چھوکرا اور قتل و خونریزی میں نہایت بے باک تھا۔ عبداللہ بن معقل مزنی ہمارے اندر موجود تھے۔ انہوں نے اس کے ظلم و ستم کا یہ حال دیکھا تو ایک دن اس کے پاس گئے اور سب کے سامنے اس سے کہا کہ یہ ظلم و ستم جو تم نے دھار رکھا ہے اس سے باز آؤ۔ اس نے جواب دیا کہ ان باتوں سے تم کو کیا تعلق؟ پھر جب وہ مسجد میں آئے تو ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ اس بیوقوف سے سب کے سامنے یہ باتیں کس غرض سے کر رہے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اللہ اور رسولؐ کا علم تھا، میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ سب کے سامنے اس شخص کو یہ علم پہنچائے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ اس کے بعد وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں وفات پائی۔ ان کی بیماری کے دوران میں عبیداللہ بن زیاد ان کی عیادت کو آیا۔

---

[1] مؤطا امام مالک۔ احکام الخلافۃ [2] مسلم شریف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل بحث: اس بحث میں قرآن، حدیث اور آثار سے جو حوالے نقل کئے گئے ہیں ان سے حسب ذیل دو باتیں واضح ہوجاتی ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ اسلامی سوسائٹی کے ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ خود اپنے اندر بھی اور سوسائٹی کے دوسرے لوگوں کے اندر بھی یہ احساس زندہ اور بیدار رکھے کہ اسلام نے خالق کی اطاعت کے خلاف کسی مخلوق کی اطاعت کو جائز نہیں رکھا ہے

(۲) دوسری یہ کہ ہر برائی جو سوسائٹی کے اندر پھیلتی ہے اس کی ذمہ داری جس طرح اس کے پھیلانے والوں پر ہے اسی طرح ان لوگوں پر بھی ہے جو اس کو برائی جانتے ہوئے اس کو پھیلنے دیں اور وہ سارے اصلاحی وسائل جو ان کو حاصل ہیں اس کام میں نہ لگادیں۔

ان دونوں باتوں کی اصل اہمیت اور ان کی نتیجہ خیزی کی پوری وسعت کا اندازہ اس امر سے ہوگا کہ یہ واجبات شریعت ہی سے ہیں یعنی اسلام نے ان دونوں باتوں کو شہری حقوق کی فہرست میں نہیں رکھا ہے بلکہ ان کو شہریوں کے فرائض میں شمار کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کے جبر و ظلم کے باوجود خدا کی رضا ان کے ادا کرنے میں ہے نہ کہ ان کے دستبردار ہوجانے میں۔ یہ ہمارے اپنے حقوق نہیں ہیں کہ اگر ہم ان پر صبر کر جائیں اور اپنے لئے ارباب اقتدار سے کوئی مطالبہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہم کو اس صبر کا صلہ ملے۔ یہ خدا کے حقوق ہیں جن کی ادائیگی ہمارے ذمہ ہے اور جن کے معاملہ میں اصل صبر یہی ہے کہ تمام مزاحمتوں اور مخالفتوں کے باوجود یہ ادا کئے جائیں اور پھر اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھی جائے کہ اس کے حقوق کی ادائیگی کی راہ میں جو دکھ اٹھائے گئے ہیں وہ ان کا صلہ عطا فرمائے گا۔

ان دونوں باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ اسلامی حکومت کے سربراہ کاروں کی طرف سے کفر صریح کے ظہور سے پہلے ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی پابندی لگا کر دین و سیاست کو غائب کر دیا گیا ہے یا اصلاح حال کے لئے کوئی موثر صورت نہیں رہنے دی گئی۔ ظاہر بات ہے کہ اگر سوسائٹی یا اس کی اکثریت کے اندر ان باتوں کا احساس زندہ ہو اور وہ اپنے ان فرائض کی ادائیگی سے غافل نہ ہوں تو اول تو حکومت کے اندر کسی بگاڑ کے لئے راہ پانا کوئی آسان کام نہیں ہے اگر وہ راہ پا بھی لے تو زیادہ دنوں تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم نہیں رہ سکتی اور اگر رہ بھی جائے تو کبھی وہ صورت نہیں اختیار کرسکتا جس کی اصلاح کے لئے کسی منظم بغاوت کی ضرورت پیش آئے۔ اور اگر خدانخواستہ یہ صورت حال نتیجہ ہے اس بات کا کہ لوگوں کے اندر اس بگاڑ کے خلاف نفرت اور اس کی اصلاح کا کوئی جذبہ ہی باقی نہیں۔ ایسا تو ایسے لوگوں کی تلوار سے اور جو چاہے ہوجائے اسلام تو بہرحال قائم نہیں ہوسکتا کہ ان کو ایک ایسی حکومت کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دیدی جائے جو بہرحال اسلام پر قائم ہے اگرچہ اپنے اندر کچھ جزئی بگاڑ بھی رکھتی ہے۔ باقی رہی یہ شاذ صورت کہ سوسائٹی کی عظیم اکثریت تو اصلاح کی خواہاں اور اس پر آمادہ ہے لیکن اس کے چند برسر اقتدار خود غرض اور شدید افراد اس کی راہ میں مزاحم ہو رہے ہوں اور طاقت کے زور سے اس کو دبا رہے ہوں، جیسا کہ حضرت اسمٰعیل شہید نے تصریح فرمائی ہے اس بات کی اجازت ہے کہ اگر قوت کے ذریعے سے اصلاح کا یقین ہو تو طاقت کے ذریعے سے ان مفسدین کو ہٹا کر نظام حق قائم کردیا جائے۔ اگرچہ یہ صورت محض ایک عقلی امکان کی صورت ہے عملاً اس کا امکان بہت ہی کم ہے کہ ایک آمادۂ اصلاح سوسائٹی کی عظیم اکثریت کی مزاحمت تھوڑے سے مفدین کرسکیں اور ان کے استیصال کے لئے طاقت کے استعمال کی ضرورت پیش آئے۔

دوسرے سوال کا جواب دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے کفر صریح صادر ہونے کی صورت میں اسلام نے اس کے خلاف تلوار اٹھانے اور اس کی اطاعت سے دستکش ہوجانے کی جو اجازت دی ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جونہی حکومت کی طرف سے کسی کفر کا صدور ہو ہر مسلمان اس کے خلاف تلوار کھینچ کر کھڑا ہوجائے اور حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان کردے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس صورت کے پیدا ہوجانے کے بعد حکومت کی اطاعت و وفاداری کی وہ شرعی ذمہ داری جو اسلام نے ایک اسلامی حکومت کے لئے اس کے ہر شہری پر عائد کی ہے ختم ہوگئی۔ اب اس کو شریعت کی طرف سے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ سارے حالات کا اچھی طرح جائزہ لے کر اسلام کی بتائی ہوئی مختلف راہوں میں سے جس راہ کو اختیار کرسکتا ہو اس راہ کو اختیار کرلے۔ رہا یہ سوال کہ اس صورت میں اسلام نے کیا کیا راہیں اختیار کرنے کی اجازت دی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حالات کے اختلاف کے لحاظ سے اسلام نے ایک مرتد حکومت کے مقابلہ میں اس کے مسلمان باشندوں کے لئے تین راہوں میں سے کوئی ایک راہ اختیار کرنے کا اختیار دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) ایک راہ یہ ہے کہ ان ارباب اقتدار سے بزور شمشیر اقتدار چھین لیا جائے جن کی طرف سے کفر بواح[1] (صریح) کا ظہور ہوا ہے اور ملک کے نظام کو از سر نو اسلام کی بنیادوں پر قائم کر دیا جائے۔

یہ راہ اختیار کرنے کی اجازت اس صورت میں دی گئی ہے جب صالحین کا گروہ منظم ہو، ان کے پاس طاقت موجود ہو۔ اہل ملک کی عظیم اکثریت ان کے ساتھ ہو یا کم از کم اس بات کا ظن غالب ہو کہ عملی جدوجہد شروع ہوتے ہی اکثریت انکا ساتھ دیگی۔ اور کسی بڑی تباہی و خونریزی کے بغیر مفسدین کے اقتدار کو مٹا کر صالحین[2] کا اقتدار قائم کیا جا سکے گا۔ اس صورت میں بلاشبہ صالحین کی جماعت کو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان کے اوپر یہ شرعی فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت منظم کر کے ملک کے اندر بزور شمشیر انقلاب پیدا کر دیں اور حکومت پر قبضہ کر لیں۔

(۲) دوسری راہ یہ ہے کہ وہ وہاں سے ہجرت کر جائیں۔

یہ راہ اختیار کرنے کی اجازت اس صورت میں دی گئی ہے جب کہ صالحین نہایت حقیر اقلیت میں ہوں اور مفسدین سے ٹکر لینے کی صورت میں انکو کوئی نقصان پہنچانے کے بجائے خود انکی اپنی تباہی کا اندیشہ ہو علاوہ ازیں کوئی ایسا دارالاسلام موجود ہو جس کے دروازے انکے لئے کھلے ہوں اور جہاں وہ اسلامی ماحول کے اندر اپنے دینی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کر سکتے ہوں۔ اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ وہاں سے ہجرت کر کے وہ دارالاسلام میں منتقل ہو جائیں کیونکہ مسلمان کیلئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ ایک دینی ماحول کے موجود ہوتے ہوئے کسی ایسے ماحول میں اپنے آپکو رکھ چھوڑے جہاں بچ نہ سکے کہ وہ اس ماحول کو متاثر کرے اندیشہ اس بات کا ہے کہ وہ ماحول اس کے اور اس کی آل اولاد کے دین و ایمان کیلئے ایک مستقل فتنہ بن جائے اگر ہجرت کی استطاعت اور دارالاسلام کی موجودگی کے باوجود کوئی شخص اپنے آپکو دارالکفر کی آلودگیوں میں مبتلا رکھے تو آخرت میں اسکا حشر کفار ہی کے ساتھ ہوگا۔ سورۂ نساء میں ہے:-

---

[1] موجودہ زمانے کی معروف اصطلاحات کی رُو سے اس کے معنی دستور اسلامی کی ایسی صریح خلاف ورزی کے ہونگے جس کی کوئی تاویل ممکن نہ ہو۔ [2] یعنی اسلامی دستور کا احترام اور اس کی حفاظت کرنے والوں کا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ	وہ لوگ جنکو فرشتے وفات دینگے اس حال میں کہ وہ
اَنْفُسِهِمْ، قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ؟ قَالُوْا	اپنی جانوں کو آفت میں مبتلا کئے ہوئے ہونگے، ان سے
كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ، قَالُوْٓا	پوچھیں گے کس حال میں تم رہے ہے؟ جواب دینگے
اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا	ہم ملک میں دبے ہوئے تھے۔ فرشتے کہیں گے کیا
فِيْهَا؟ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ	خدا کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟
وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔	یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بُرا ٹھکانا
(۵۷۔ النساء)	ہے۔

(۳) تیسری راہ یہ ہے کہ جس جگہ ہے اسی جگہ جما رہے اور جس طرح انبیائے کرام ایک دارالکفر میں اپنے مشن کی تبلیغ کرتے ہیں اور درجہ بدرجہ اس کو دارالکفر سے دارالاسلام کی صورت میں بدل دیتے ہیں اسی طرح وہ اس دارالکفر کو دارالاسلام کی صورت میں ڈھالنے کی جدوجہد میں لگ جائے۔[1]

یہ راہ اس صورت میں اختیار کرنی چاہیئے جب نہ تو طاقت کے ذریعہ سے انقلاب برپا کرنیکا کوئی امکان ہو اور نہ کوئی دارالاسلام ہی موجود ہو جہاں ہجرت کی جاسکتی ہو۔ باہر کے ممالک کے حالات دینی نقطۂ نظر سے کم و بیش اسی طرح کے ہوں جس طرح کے حالات میں وہ خود گھرا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ہجرت بالکل بیفائدہ ہے اگر اس کے اپنے ملک کے اندر حالت اتنی بگڑ چکی ہو کہ ایمان و اسلام کے بالکل ابتدائی تقاضوں کا پورا کرنا بھی ممکن نہ رہ گیا ہو اور مجرد اسلام کے ساتھ نسبت ہی جان و مال اور عزت و آبرو کے لئے خطرہ بن چکی ہو تب تو اور بات ہے[2] ورنہ ایسے

---

[1] ۔ انبیائے کرام کے طریق دعوت اور اس کے تمام شرائط و خصوصیات کی تفصیل ہماری کتاب "دعوت دین اور اس کا طریق کار" میں ملے گی۔

[2] ایسی صورت میں جس گوشۂ زمین کے متعلق بھی اس کا گمان ہو کہ وہاں اس کے جان و ایمان کے لئے معمولی امان حاصل ہو سکے گی وہاں منتقل ہو جائے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مکہ کے ابتدائی دور کے مصائب سے مجبور ہو کر حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اور اگر اپنے ہی ملک کے جنگل اور پہاڑ اسے پناہ دے سکیں تو تنہا ایمان لے کر ان کے اندر جا چھپے۔ چنانچہ بعض احادیث میں اس صورت کی طرف بھی اشارہ ہے اور خود قرآن مجید میں اصحاب کہف کی مثال بیان کی گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمانہ میں جبکہ وطنی عصبیت نے ہر جگہ دوسروں کے لئے اپنے دروازے بند کر رکھے ہیں بہتر یہی ہے کہ دوسرے ملکوں کی خاک چھاننے کے بجائے اپنے ہی ملک کی خاک چھانے اور اس کے اندر ان عناصر کو ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کرے جو بالآخر ایک صالح نظام کی تعمیر میں کام آسکیں۔ اس جدّ و جہد میں کامیابی ہو یا نہ ہو لیکن جہاں تک کوشش کرنے والے کا تعلق ہے وہ بہرحال دونوں حالتوں میں کامیاب ہے کیونکہ وہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر پائے گا وہ اس کا اپنا اخلاص اور اس کی اپنی محنت ہے۔ اگر اس چیز میں اس نے کوئی کمی نہیں کی ہے تو کوئی دوسری چیز اس کی کامیابی کو ناکامی میں نہیں بدل سکتی۔

ایک اور شبہ اور اس کا ازالہ | اس پوری بحث کو پڑھنے کے بعد بعض لوگوں کے ذہن میں ایک اور شبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت کی اطاعت و عدم اطاعت کا معاملہ اتنا اہم ہے کہ اس سے آدمی کے کفر و اسلام کا سوال پیدا ہو جاتا ہے اور جب تک حکومت کی طرف سے کسی کفر صریح کا صدور نہ ہو اس کی وفاداری واجب اور اس کی اطاعت سے انحراف اور اس کے خلاف تلوار اٹھانا حرام ہے تو آخر حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کی خلافت کے خلاف کیوں تلوار اٹھائی درآنحالیکہ یزید پر زیادہ سے زیادہ الزام فسق کا تھا نہ کہ کفر کا؟ یزید نے نہ تو کسی کفر صریح کا اظہار کیا تھا اور نہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان عہد کے دوسرے صحابہ نے اس کی حکومت کے کافرانہ ہونے کا فتوےٰ ہی دیا تھا؟

یہ شبہ زیادہ تر نتیجہ ہے تاریخ کے ناقص مطالعہ کا۔ اس دور کے واقعات کا مطالعہ کرتے وقت عموماً لوگ محبت اور نفرت کے دوگونہ جذبات کی رَو میں اس طرح بہ جاتے ہیں کہ وہ فکری توازن باقی ہی نہیں رہ جاتا جو اصل صورت معاملہ پر غور کرنے اور اسکو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ اصل یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا خروج یزید کی حکومت کے خلاف ہے سے تھا ہی نہیں۔ وہ جس وقت اہل کوفہ کی دعوت پر نکلے ہیں اس وقت تک یزید کی خلافت منعقد ہی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے خلاف خروج کا سوال پیدا ہو۔ اس وقت تک نہ حجاز کے مرکزی شہروں نے اس کی خلافت پورے طور پر تسلیم کی تھی اور نہ عراق کے لوگوں نے ابھی اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ صرف شام کے مسلمانوں نے اس کی خلافت تسلیم کی تھی لیکن مکہ مدینہ اور کوفہ وغیرہ جیسی مرکزی اسلامی آبادیوں کا اتفاق رائے حاصل کئے بغیر محض اہل شام کا یہ مرتبہ نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا کہ وہ اسلامی خلافت کا مسئلہ طے کردیں۔ اس وقت تک عام مسلمان تو درکنار امیر معاویہ کے مقرر کئے ہوئے امراء تک کا یہ حال تھا کہ وہ آئندہ خلیفہ کے بارہ میں ابھی یکسو نہیں ہوئے تھے۔ اس عام تذبذب کی وجہ سے ان امراء کا وہ امیرانہ اقتدار بھی قائم نہیں رہا تھا جو ہونا چاہیئے تھا۔ اہل کوفہ نے حضرت امام حسین کو جو خط لکھا تھا اس میں واضح کردیا تھا کہ "اس وقت ہمارے اُوپر کوئی امیر نہیں ہے۔ آپ تشریف لائیے، شاید اللہ تعالٰی نے آپکے ذریعہ سے ہم کو ہدایت پر مجتمع کردے۔ قصرِ امارت (GOVERNMENT HOUSE) میں نعمان بن بشیر ضرور موجود ہے لیکن ہم نہ تو اس کے پیچھے جمعہ پڑھتے ہیں، نہ عیدیں، اگر ہم کو آپکی آمادگی کا علم ہوجائے تو ہم اس کو کوفہ سے نکال باہر کریں[1]"۔ خود یہ نعمان بن بشیر جو کوفہ کا امیر تھا، یزید کی خلافت کی نسبت جو رائے رکھتا تھا اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ جب اسے معلوم ہوا کہ امام حسینؓ کوفہ تشریف لارہے ہیں تو اس نے صاف صاف کہا کہ "لابن بنت رسول الله احب الینا من ابن بحدل یعنی رسول اللہ کا نواسہ ہم کو ابن بحدل (یزید) سے زیادہ عزیز ہے"۔ چنانچہ اس وجہ سے یزید نے اس کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو وہاں کا امیر بنا کر بھیجا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے مسلمؓ بن عقیل کے ہاتھ پر امام حسینؓ کے لئے ۳۰ ہزار سے زیادہ آدمیوں نے بیعت کرلی۔ کم و بیش یہی حال حجاز کی مرکزی آبادیوں کا تھا۔ نہ صرف یہ کہ ابھی یزید کی بیعت کہیں منعقد نہیں ہوئی تھی بلکہ ہر جگہ اس کے خلاف مخفی اور ظاہر دونوں کی تحریک موجود تھی۔ ان حالات کے اندر امام حسین علیہ السلام کا اٹھنا کسی ایسی حکومت کے خلاف اٹھنا نہیں تھا جس کو "خلافت قائم شدہ از روئے قانون اسلامی" ہونے کی حیثیت حاصل ہو اور جس کے خلاف خروج اس کے اربابِ اقتدار کے فسق کے باوجود ناجائز ہو۔ بلکہ اس وقت تک ملک میں ایک ایسی سیاسی خلا کی حالت تھی اور یہ خلا اپنے بھرنے کے لئے ابھی لئے عام کے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔ ایسے حالات کے اندر امام حسین علیہ السلام کو شریعت کی رُو سے نہ صرف اس بات کا پُورا حق حاصل تھا کہ وہ رسم ولیعہدی کی عجمی بدعت کے خلاف جہاد کے لئے اٹھیں بلکہ انکے علم و فضل اور ان کے دینی مرتبہ کی وجہ سے ان پر اس جہاد کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی بالخصوص ... سے مسلمانوں کی نگاہیں انکی طرف رہنمائی کی توقع کے ساتھ ساتھ اٹھ رہی تھیں اور ان سے ذمہ داری قبول

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کی درخواستیں کیجارہی تھیں۔ اس وجہ سے یہ خیال کرنا کہ امام حسین علیہ السلام کا یہ اقدام یزید کی خلافت کے خلاف خروج کے حکم میں آتا ہے بالکل غلط ہے۔ یزید کی خلافت تو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، ابھی منعقد ہی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے خلاف خروج و عدم خروج کا سوال پیدا ہو۔ اس وقت تک زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں اگر کوئی چیز لوگوں کے سامنے آئی تھی تو وہ اس کی ولیعہدی کی بیعت تھی جو امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں بھی ان کو پوری کامیابی نہیں ہوئی تھی اور بالفرض اس میں ان کو کامیابی بھی ہو جاتی جب بھی اس چیز کو انعقادِ خلافت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ انعقادِ خلافت کے لئے اصلی اور واحد شئے تمام مرکزی آبادیوں کی بیعت عام تھی اور یہ چیز اس وقت تک بہر حال وجود میں نہیں آئی تھی۔

لہٰذا اس میں تو ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ جس وقت امام حسین علیہ السلام مکہ سے نکلے ہیں اس وقت وہ اپنے اس اقدام کے لئے شرعاً پوری طرح مجاز تھے لیکن ان کے کوفہ پہنچنے سے پہلے پہلے حالات میں اتنی تیز رفتاری کے ساتھ تغیّر واقع ہوا کہ معاملہ کی وہ شرعی نوعیت بالکل ہی بدل گئی جو ان کے مکّہ سے نکلنے کے وقت تھی۔ ایک طرف تو اہل کوفہ امام حسین کے نمائندہ مسلم بن عقیل کے ساتھ غدّاری کر کے عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ مل گئے اور مسلم بن عقیل نہایت مظلومیّت کی حالت میں قتل کر دیئے گئے۔ دوسری طرف حجاز میں بھی حالات نہایت تیزی کے ساتھ یزید کے حق میں ہموار ہو گئے اور لوگوں سے طوعاً یا کرہاً اس کے لئے بیعت حاصل کر لی گئی۔ حضرت امام حسینؓ کو جب اس نئی صورتِ حال کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سارے معاملے پر از سرِ نو نگاہ ڈالی اور فوراً واپسی کا ارادہ کر لیا اور ابنِ زیاد کی فوج (جو ان سے لڑنے کے لئے آئی تھی) کے افسر عمرو بن سعید کے سامنے تین متبادل تجویزیں انہوں نے رکھیں کہ ان میں سے جو تجویز تم کو تمہارے مصالح کے موافق نظر آئے مجھے اس کے اختیار کرنے کی اجازت دو

—— ایک یہ کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلے جانے دو۔

—— دوسری یہ کہ مجھے ترکوں کی سرحد کی طرف نکل جانے دو تا کہ بقیہ زندگی انکے ساتھ جہاد میں بسر کر دوں۔

—— تیسری یہ کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو میں اپنے تئیں اسکے حوالہ کر دونگا وہ جو فیصلہ چاہے کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمرو بن سعید نے امام کی یہ تینوں تجویزیں ابن زیاد کے پاس بھیج دیں۔ ابن زیاد نے امام کو انکی خواہش کے مطابق یزید کے پاس بھیجدینا چاہا لیکن شمر بن جوشن نے اس سے اختلاف کیا۔ اس نے ابن زیاد کو سمجھایا کہ قابو میں آئے ہوئے دشمن کو موقع دینا سخت نادانی ہوگی۔ اگر ان کو یزید تک تم نے پہنچ جانے دیا تو نہ صرف یہ کہ ان کا بال بیکا نہیں ہوگا بلکہ یہ وہاں وہ مرتبہ حاصل کرلیں گے جو نہ تو تمہیں حاصل ہو سکے گا، نہ کسی اور کو۔ اس وجہ سے ان کو مجبور کرو کہ وہ اپنے آپ کو تمہارے حوالہ کریں اور تم جو فیصلہ کرو اس کے آگے سرِ تسلیم خم کریں۔ ابن جوشن کا یہ جادو چل گیا اور ابن زیاد نے امام کی ان تجویزوں کو ٹھکرا دیا اور اصرار کیا کہ وہ اپنے تئیں اس کے حوالہ کریں اور وہ جو فیصلہ کرے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کریں۔

ظاہر ہے کہ اب یہاں دین و شریعت کے تقاضوں اور حکومت کی اطاعت یا عدم اطاعت کا کوئی سوال باقی نہیں رہا تھا بلکہ سرتاسر چند خودغرض لوگوں کی کینہ توزی اور خباثت نفس تھی جس کا نہایت بُرے طریقہ پر مظاہرہ کیا جارہا تھا۔ امام حسین علیہ السلام اس بات کے لئے تو پابند تھے کہ اگر شریعت کے قوانین ان سے مطالبہ کریں تو وہ یزید جیسے فاسق کی اطاعت سے بھی انکار نہ کریں لیکن وہ اس بات کے لئے شریعت کی طرف سے ہرگز پابند نہیں تھے کہ وہ ابن جوشن اور ابن زیاد جیسے کینہ توزوں کے رحم وکرم پر اپنے آپ کو چھوڑ دیں اور پورے کنبہ سمیت اپنے آپ کو خود ہی ذبح کئے جانے کے لئے ان کے حوالہ کر دیں۔ چنانچہ ان لوگوں کے اس صریح ظلم کے آگے سر جھکانے اور ان کے ہاتھوں اس ذلّت کی موت پر از خود راضی ہونے سے امام علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ بالآخر کربلا کے حادثۂ خونیں کی شکل میں ظاہر ہوا۔

© rasailojaraid.com